ماہنامہ

# پیام عرفات

رائے بریلی

## بیت اللہ کا مقام

"یہ گھر (بیت اللہ) ایمان واخلاص کی ان بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے جس کی نظیر دنیا میں اور کہیں نہیں ہے، اللہ تعالی نے اس کو خوب قبول فرمایا، نوازا، اس کے دوام کا فیصلہ فرمایا، اس کو جمال وجلال کا لباس زیبا عطا کیا، دلوں کو اس کی طرف مائل کردیا، اور اس کو تمام انسانوں کی قبلہ گاہ اور ان کے دلوں کے لیے مقناطیس کی طرح باعث کشش بنادیا، لوگ یہاں سر کے بل بلکہ آنکھوں اور پلکوں کے بل آتے ہیں، اور اس پر جان ودل نثار کرتے ہیں، یہ گھر ہر قسم کی کے ظاہری حسن اور مصنوعی آرائش سے خالی اور محفوظ ہے، اور ایک ایسے شہر میں واقع ہے جو تہذیب وتمدن کے ہنگاموں اور زندگی کے پرشور دھاروں سے بہت دور ہے، لیکن پھر بھی اس میں وہ کشش پائی جاتی ہے کہ لوگ اس کی طرف کھنچ کھنچ کر دیوانہ وار پہنچتے ہیں، اور اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بیتاب رہتے ہیں۔"

(ارکان اربعہ: ۳۱۳ – از: – حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي

# زوال امت کے اسباب

علامہ شبلی نعمانیؒ

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امر صریح
کہ زمانہ میں کہیں عزت ِاسلام نہیں
آپ جائیں گے جہاں قوم کو پائیں گے ذلیل
اس میں تخصیص عراق وعرب وشام نہیں
یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
کوئی چیزان میں جوہومشترک عام نہیں
ایشیائی ہے اگر یہ،تو وہ ہے افریقی
اور کوئی رابطۂ نامہ و پیغام نہیں
لالہ رخ یہ ہے تو زنگی وسیہ فام ہے وہ
یہ سمن بر ہے و ہ موزون وخوش اندام نہیں
اس نے گہوارۂ راحت میں بسر کی ہے عمر
وہ کبھی خوگر اسائش وآرام نہیں
وہ ازل سے ہے کمند افگن و شمشیرنواز
اس میں جز عش کسی چیز سے کچھ کام نہیں
خوان وایواں سے بھی سیری نہیں ہوتی اس کو
اس کو گر نان جویں بھی ہوتو ابرام نہیں
اس نے یورپ کے مدارس میں جوسیکھے ہیں علوم
وہ ابھی ابجد تعلیم سے بھی رام نہیں
اس قدر فرق تفاوت پہ بھی ہے عام یہ بات
قوم کادفتر عزت میں کہیں نام نہیں
پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دیں
ہم مسلمانوں میں کوئی بھی صفت عام نہیں
ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سبب پستی اسلام ،جز اسلام نہیں
ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں
غور کرنے کے لئے فکر وتعق ہے ضرور
منزل خاص ہے یہ رہ گذر عام نہیں

بحث مافیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں
آپ کھانے کو بنادیتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں ،غذا موجب اسقام نہیں
اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں
کون ہے شائبہ شرک سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریب ہوس خام نہیں
آستانوں کی زیارت کے لئے شد رحال
اس میں کیا شان پرستارئ اصنام نہیں
کیجئے مسئلہ شرک نبوت پہ جو غور
کفر میں بھی یہ جہانگیری اوہام نہیں
اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندی احکام نہیں
اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہے وہ رئیس
جس کے چہرے پہ فروغ مئے گلفام نہیں
نص قرآں سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
اس اخوت میں خصوصیت اعمام نہیں
یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہے بھائی دشمن
کون سا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں
نہ کہیں صدق و دیانت ہے نہ پابندئ عہد
دل ہیں نا صاف زبانوں میں جو دشنام نہیں
آیت فاعتبروا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
علماء کو خبرِ گردش ایام نہیں
الغرض عام ہے وہ چیز جو بے دینی ہے
صاف یہ بات ہے نہیں ابہام نہیں
ان حقائق کی بناپر سبب پستی قوم
ترک پابندئ اسلام ہے،اسلام نہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

# پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارِ عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

الامام أبي الحسن الندوی

جلد نمبر/۵ شمارہ نمبر/۶-۹

جون-ستمبر ۲۰۱۳ء مطابق رجب-شوال ۱۴۳۴ھ

## فہرس

خرد کا نام جنوں رکھ دیا ........ ۳
امراض کی تشخیص اور علاج ........ ۴
مسلمانوں کی ذمہ داریاں ........ ۵
قیادت کا خلا ........ ۶
دنیا میں بدامنی کا ذمہ دار کون ........ ۸
کل اور آج (نظم) ........ ۱۰
قرآن حکیم اور تعمیر انسانیت ........ ۱۱
اسلام اور قربانی ........ ۱۳
ذی الحجہ کی خاص دو عبادتیں ........ ۱۵
جڑوں کے بجائے پتوں پر پانی ........ ۱۶
اپنی آبرو کی حفاظت کیجیے ........ ۱۸
ایمان وعقیدہ-ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ ........ ۱۹
لبیك اللھم لبیك ........ ۲۰
عید الاضحیٰ کے فضائل اور قربانی کے احکام ومسائل ........ ۲۲
علم اور اس کی بنیاد-قرآن وحدیث کی روشنی میں ........ ۲۵
تقوی اور اس کے ثمرات-قرآن وحدیث کی روشنی میں ........ ۲۸
ہندوستان میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی سازش ........ ۳۲
علامہ اقبال کی شاعری ........ ۳۵
مشرق وسطیٰ کا سیاسی منظر نامہ ........ ۳۸

**سرپرست**

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ
(صدر، دارِ عرفات)

**نگراں**

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ
(جنرل سکریٹری، دارِ عرفات)

**مجلس ادارت**

بلال عبدالحی حسنی ندوی
مفتی راشد حسین ندوی * عبد السبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی * محمد حسن ندوی

**معاون ادارت**

محمد نفیس خاں ندوی

فی شمارہ: ۱۰ روپے

سالانہ: ۱۰۰ روپے

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبد اللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

## اصلی خطرہ-بے ضمیری

''اس وقت عرب قوم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک اور اہم مرحلہ سے گذر رہی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شکست کا مرحلہ ہے یا مصیبت کا مقام ہے، اور میں اس مصیبت سے خوف زدہ نہیں ہوں، دعوت اور پیغام کی حامل قومیں، طویل تاریخ رکھنے والی قومیں، زندہ ضمیر اور روشن اور زندگی سے بھر پور قلب رکھنے والی قومیں، ان مراحل سے گذرتی ہی رہتی ہیں، ہم خود اس طرح کے بے شمار مراحل سے گذر چکے ہیں، ہمارے اوپر صلیبیوں نے یلغار کی، تاتاریوں کا طوفان ہمارے سروں پر سے گذر گیا جبکہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمانوں کی آخری سانس بھی نہ رک جائے، پھر بھی وہ مایوسی اور بدشگونی کا مقام نہیں تھا، کیونکہ مومن کا ضمیر زندہ تھا، مومن کی عقل باشعور تھی اور وہ خیر وشر، دوست ودشمن اور مفید ومضر کی تمیز کر سکتا تھا، اور اس وقت مسلمان جری، صاف گو اور بہادر تھا۔

میں ان جیسے المیوں سے کوئی خطرہ نہیں محسوس کرتا بلکہ مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے، ضمیر کا کام ہے احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسے ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہو جائے، اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے، اور اس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے، تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے، یہ انسانیت کی موت ہے، ایک انسان مرتا ہے تو ہزاروں انسان پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن جب ضمیر مردہ ہو جائے، اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہو جائیں، جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرأت ختم ہو جائے، جب تنقید واحتساب کی جگہ شاباشی اور داد وتحسین کے پھول برسنے لگیں تو ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔''

## اصلی ضرورت-نیا ایمان

''عالم اسلام کو نئے دین، نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، اسلام کبھی آفتاب کی طرح نہ پرانا تھا نہ اب پرانا ہے، رسول اللہ ﷺ کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے، آپؐ کا دین محفوظ ہے، اور آپؐ کی تعلیمات زندہ، لیکن عالم اسلام کو بلا شبہ نئے ایمان کی ضرورت ہے، نئے فتنوں، نئی طاقتوں، نئی ترغیبوں، نئی دعوتوں کا مقابلہ کمزور ایمان، مجرد رسوم وعادات سے نہیں کیا جا سکتا، پھر داعی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اپنی دعوت پر غیر متزلزل یقین ہو، اس میں ایک ایسے انسان کا جوش ہو جو کسی نئے عقیدہ پر نیا ایمان لایا ہے، ایک ایسے انسان کا سرور وسرخوشی ہو جس نے کوئی نیا خزانہ پالیا ہو یا نیا ملک دریافت کیا ہو، عالم اسلام اگر دنیائے انسانیت میں نئی روح اور نئی زندگی پیدا کرنا چاہتا ہے اور دنیا کی موجودہ مادہ پرستی اور شک واضطراب پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے اندر نئی ایمانی روح تازہ یقین اور نیا جوش وخروش پیدا کرنا ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ مومن کی طاقت اور اس کی فتح وغلبہ کا راز یہ ہے کہ اس کو آخرت کا یقین اور اللہ کے اجر وثواب کی امید ہوتی ہے، اگر عالم اسلامی کے سامنے تمام تر وہی دنیاوی مقاصد اور مادی منافع ہیں، اور وہ بھی محض محسوسات ومادیات کے طلسم میں گرفتار ہے تو یورپ کو اپنی مادی طاقت، صدیوں کی تیاری، اور وسیع ساز وسامان کی بنا پر غلبہ واقتدار کا زیادہ حق ہے۔

عالم اسلام اپنے مدمقابل پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل کر سکتا ہے کہ وہ اپنے حریف سے ایمان میں فائق ہو، زندگی کی محبت اس کے دل سے نکل چکی ہو، خواہشات نفسانی کے بند سے آزاد ہو چکا ہو، اس کے افراد شہادت کے حریص ہوں، جنت کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لیتا ہو۔''

مدیر کے قلم سے

# خرد کا نام جنوں رکھ دیا.....

بلال عبدالحی حسنی ندوی

پوری دنیا میں جمہوریت کے نام پر جو مذاق ہو رہا ہے اور خاص طور پر جمہوریت کے علم بردار کہے جانے والوں نے جس طرح اس لفظ کی دھجیاں بکھیری ہیں وہ پوری دنیا کی پیشانی پر ایک سیاہ داغ ہے، اور یہ مسئلہ صرف جمہوریت کا نہیں بلکہ نہ جانے کتنے حسین وجمیل الفاظ ہیں جن کا استعمال کرتے کرتے زبانیں نہیں تھکتیں، لیکن وہ الفاظ آج اپنی حقیقت کھو چکے ہیں، دنیا پھر اسی تاریک دور کی طرف چلنا چاہتی ہے، اور اسی جاہلیت وبربریت کا ننگا ناچ نگاہوں کے سامنے آرہا ہے جس کو کھرچنے میں اور انسانوں کے اندر انسانیت پیدا کرنے میں ایک زمانہ لگا تھا، فرق صرف یہ ہے کہ جاہلیت اب پڑھ لکھ گئی ہے، اور ظلم وبربریت کے لیے خوبصورت الفاظ تراش لیے گئے ہیں۔

بڑی طاقتوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیے ہے اور سامراج کی وہ بدترین صورتیں سامنے آرہی ہیں جن سے غلامی بھی شرما جائے۔

مصر کی تازہ صورت حال اس کی ایک کھلی مثال ہے، ہر چیز سے صرف نظر کر کے صرف جمہوریت کے منصوبوں کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے، تو امریکہ کی دوغلی پالیسی سامنے آتی ہے، حسنی مبارک کئی دہائیوں تک صدر کی کرسی پر ڈٹے رہے، نام نہاد انتخابات بھی ہوتے رہے، اور امریکہ کی طرف سے ان کو تائید حاصل رہی، کس کے منھ میں زبان تھی جو مصر میں ان کے خلاف کچھ کہتا، اس کے بعد مبارک کے دور کا کس طرح خاتمہ ہوا اور عالمی تنظیموں کی نگرانی میں انتخابات کرائے گئے اور محمد مرسی صدر منتخب کر لیے گئے، تو یہ باقاعدہ قانونی انتخابات امریکہ کے لیے گلے کی ہڈی بن گئے، حسنی مبارک کئی دہائیوں تک کرسی سے چمٹے بیٹھے رہے، کسی کے جوں تک نہ رینگی اور بے چارے مرسی کے لیے ایک سال گزارنا مشکل ہو گیا، فوجی انقلاب کرایا گیا، اور آج پورا مصر کوہ آتش فشاں بنا ہوا ہے، بے دریغ لوگ گولیوں سے بھونے جا رہے ہیں، انسانیت سوز حرکتیں برملا کی جا رہی ہیں اور ان سفاک فوجیوں کو بھر بھر کر انعامات دیئے جا رہے ہیں جو ہلاکو اور ہٹلر کی یاد تازہ کر رہے ہیں، امریکہ اور اس کے حلیف ممالک جن میں افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ملک بھی شامل ہیں اس فوجی سفاکانہ انقلاب کی کچھ در پردہ اور کچھ برسر عام زبردست تائید کر رہے ہیں، جمہوریت کا لفظ دہراتے دہراتے جن کی زبانیں تھکتی نہیں تھیں آج ان کو کیوں سانپ سونگھ گیا ہے؟ مصر میں جس طرح جمہوریت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں، اور انسانیت کو پامال کیا جا رہا ہے، اس کے لیے کیوں کسی ملک کے دل میں درد پیدا نہیں ہوتا؟ بات اصل یہ ہے کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور، اور کھانے کے اور، جس جمہوریت کی دہائی دی جاتی رہی ہے وہ حقیقت میں ایک غلامی کی شکل ہے، جب تک جمہوریت اس غلامی کے ساتھ قائم رہے اس کے لیے سارے حفاظتی انتظامات ہیں، اور جب جمہوریت حقیقی معنوں میں قائم ہو جہاں لوگوں کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہو اور اپنے من پسند طریقوں پر چلنے کا اختیار حاصل ہو وہ نہ جمہوریت ہے نہ آزادی! آزادی یہ ہے کہ زبردستی دھاڑیاں منڈوادی جائیں، برقع اتروادیا جائے، ڈانس کرائے جائیں، مسجد سے نمازی کھینچے جائیں اور قہر کی سب شکلیں اختیار کی جائیں، امریکہ کی لغت میں اس کا نام آزادی اور جمہوریت ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ دنیا میں یہ نام نہاد جمہوریت اور آزادی کا ڈھنڈھورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے کہ لوگوں نے اس بدترین غلامی کو آزادی سمجھ لیا ہے اور ڈکٹیٹر شپ کی اس گھناونی شکل کو جمہوریت کا نام دیا ہے، یہ غیر فطری صورت حال ہے، اگر اس مین تبدیلی نہ آئی تو دنیا کا خدا ہی حافظ ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

# امراض کی تشخیص اور علاج

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف مخاطب ہوں اور کہتا ہوں، اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص و آز کا ہوکا سوار ہو گیا ہے تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنا لیا ہے، اور حلال تمہارے لیے بدمزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہیے کہ تم اپنی شہواتی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلیف سے کام نہ لیا کرو اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خامخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہونچ جائیں گے اللہ تعالی اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلی مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہیے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو، تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بے چارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ، تمہارے لیے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی راہ بھی سمجھائے گا، جو تمہارے لیے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرم گاہ کی حفاظت کر سکتی ہو، اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے، چاہیے کہ اس پر خدا کا شکر ادا کرے۔

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے، اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے اور اللہ کی یاد کے لیے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے، کم از کم تین وقتوں صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص خیال رکھے، حق تعالی کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے، اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لیے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشورہ کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھا ہوتے ہو، اسی طرح شب برائت میں کھیل کود کرتے ہو، اور مردوں کے لیے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اس طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں، جس نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھرالیا ہے، یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی اس کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انہیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں، تم نے زکوۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، حالاں کہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے جس کے اقرباء واعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لیے کافی ہو سکتی ہے، تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں، کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں یعنی جو محنت انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے، اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے، اور حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بری عادت ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں۔

# مسلمانوں کی ذمہ داریاں

حضرت مولانا محمد الیاسؒ

## تبلیغ کا مقصد

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس پہنچا دینے کا نام تبلیغ ہے، یہ بڑی غلط فہمی ہے، تبلیغ یہ ہے کہ اپنی صلاحیت اور استعداد کی حد تک لوگوں کو دین کی بات اس طرح پہنچائی جائے، جس طرح پہنچانے سے لوگوں کے ماننے کی امید ہو۔ انبیاء علیہم السلام یہی تبلیغ لائے ہیں۔

## برائیوں کا انسداد

مسلمانوں کی برائیوں کا انسداد ان کی برائیوں کی برائی بیان کرنے سے نہیں ہو سکتا بلکہ چاہیے کہ ان میں کو ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہو اس کی تکثیر کی جائے، برائیاں خود بخود دور ہو جائیں گی۔

## استاذ کی ضرورت

دنیا کا معمولی کام بھی بغیر سیکھے نہیں آتا حتیٰ کہ چوری کے لیے بھی استاد کی ضرورت ہے، اگر بے سیکھے چوری کرو گے تو بکڑے جاؤ گے تو پھر تبلیغ جیسا اہم کام بغیر سیکھے کیوں کر آسکتا ہے۔

## تبلیغ کا کام

جس چیز میں ہمارے حضور ﷺ دیگر انبیاء سے ممتاز تھے وہ طریقہ تبلیغ تھا، پہلے انبیاء کے بعد سلسلۂ نبوت جاری تھا اس لیے انہیں اس اہتمام کی ضرورت پیش نہ آئی، جس اہتمام کو ہمارے حضور ﷺ نے ملحوظ رکھا کیونکہ ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم تھا، اور تبلیغ کا تمام بوجھ ان کی امت کے افراد پر پڑنا تھا۔

## نماز کی اہمیت

نماز میں قرآن شریف کی ایک چھوٹی سی سورۂ فاتحہ کا جتنا ثواب ہے نماز کے باہر تمام قرآن شریف ختم کرنے کا اتنا ثواب نہیں پھر جو جماعت لوگوں میں نماز کی تلقین کرے اس کے اجر کا اندازہ کون کیا لگا سکتا ہے، ہر کام اپنے محل اور موقع پر اپنی خاصیت رکھتا ہے، اس طرح جہاد (دین کے پھیلانے کی کوشش) کے دوران میں ذکر کا ثواب گھر بیٹھ کر خانقاہ میں ذکر کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔

# قیادت کا خلا

مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ

حضور ﷺ کی دعوت کو لبیک کہنے والوں کے ذریعہ دین حق کی اشاعت کا جو کام ہوا اور اسلام کو قبول کرنے پر یکے بعد دیگرے دنیا کی کئی قوموں کو فروغ وعروج حاصل ہوا اور ان کو دنیا کی اخلاقی وتمدنی دونوں طرح کی قیادت کا موقع ملا ان کی اس قیادت سے دو اہم ترین میدانوں میں صالح انقلاب برپا ہوا، ایک میدان دین واخلاق کا تھا اور دوسرا میدان علم وفکر کا تھا، دونوں میدانوں میں مسلمانوں کے لائے ہوئے انقلاب کے اثرات نہ صرف یہ کہ وسیع پیمانے پر پڑے بلکہ یہ اثرات اس وقت دنیا کے ہر گوشے میں نظر آرہے تھے اور دنیا کی مختلف قوموں نے مسلمانوں کی لائی ہوئی ان تمدنی وعلمی خوبیوں سے خوشہ چینی کی اور یہ خوشہ چینی جاری ہے خواہ وہ اعتراف نہ کریں اور ان کو اس کا پورا احساس نہ ہو، مذہب واخلاق میں مسلمانوں نے ایک جامع نظام حیات اور فکر وعلم کا ایک سرمایہ پیش کیا جو نہ صرف یہ کہ انسانیت کے لیے بڑی افادیت رکھتا تھا بلکہ وہ انسانی زندگی کی مشکلات کا جامع حل تھا، جس کو بتدریج انسانی فکر کے غیر متعصب ماہرین نے تسلیم کیا ہے، علمی وعملی زندگی کے میدان میں مسلمانوں کی دی ہوئی خوبیوں سے دوسری قوموں نے جو فائدہ اٹھایا اس سے ان کو ترقی کرنے اور نئے فاصلوں کو طے کرنے میں مدد ملی، اور وہ آگے آئیں اور بڑھیں اور بڑھتی چلی گئیں۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں نے خود اپنی اس دولت سے جس سے دنیا کی دوسری قوموں نے فائدہ اٹھانا شروع کیا تھا، بے توجہی اور ناقدری شروع کردی، ایک وہ زمانہ تھا کہ طب وعلوم صحت میں مسلمان محقق اطباء نے انقلابی انکشافات کیے، اور انتھک محنت سے ایسے تجربے کیے کہ ان میں بعض کے نتائج آج تک تازہ ہیں، اور دنیا کا طبی قافلہ باوجود اپنی شاندار ترقیات کے ان سے مستغنی نہ ہوسکا اور جوان کے علاوہ نئے انکشافات کیے ان میں سے متعدد کی اساس مسلمانوں کی طبی تحقیقات پر ہے اور اسی پر کام کو آگے بڑھایا۔

دوسری طرف جغرافیہ اور علوم فلکی اور سمندروں میں جہاز رانی میں مسلمانوں نے استادانہ مقام بنایا، ان کی تحقیقات و تجربوں کی رہنمائی میں دنیا نے ان سمتوں میں بھی ترقی کی، اس کی دلیل مسلمانوں کی اختیار کی ہوئی بعض متعدد اصطلاحیں ہیں اور متعدد حقائق آج بھی کچھ بدلی ہوئی صورت میں ہیں، جغرافیہ کے اولین نقشے، جہاز رانی کے متعدد ماہرین کے نام اب تسلیم شدہ ہیں، علوم عقلیہ اور فلسفہ کے میدان میں ابن سینا، فارابی، ابن رشد، ابن طفیل وغیرہ کے نام کتابوں میں ان کے نتائج فکر کے حوالوں سے ملتے ہیں اور ان سے آج کی ترقی یافتہ قومیں فائدہ اٹھاتی ہیں، سیاست وحکومت کے میدان میں دیکھئے تو دوسری صدی ہجری مطابق ساتویں صدی عیسوی سے دسویں صدی ہجری مطابق پندرہویں صدی عیسوی تک یعنی آٹھ سو سال تک یہ صاف نظر آئے گا کہ مسلمان حکومت وقوت عسکری کے میدان میں قائدانہ مقام پر فائز رہے لیکن جب ان کی راہ پر دوسری قوموں نے اپنے کو آگے بڑھانے اور ترقی کرنے کی ابتدا کردی تو مسلمانوں کے قوائے فکری وعملی میں سستی آنے لگی، اور سستی اور غفلت دراز ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ وہ یورپ کے بڑھتے ہوئے قافلوں سے نہ صرف پیچھے رہ گئے بلکہ اپنے مقام سے مسلسل گرتے چلے گئے، اور ان کو زوال کے آخری کنارے تک پہنچ جانے کا احساس اس وقت ہوا جب ترقی یافتہ یورپ نے ان کو اپنے ظلم واستحصال کا نشانہ بنایا اور ان کے حقوق کو نہ صرف یہ کہ پامال کیا بلکہ ان کے وجود کو ہی نشانہ بنالیا، وسط ایشیا، شمالی افریقہ اور مشرق وسطیٰ کی گذشتہ دو صدیوں کی تاریخ کے مطالعہ سے یورپ کے ظلم و ناانصافی کی کے مطالعہ سے یورپ کے ظلم و ناانصافی کی عجیب وغریب مثالیں سامنے آتی ہیں جو یورپ کی قوموں نے اپنے کو تمدن ومادی ترقیات سے آرستہ اور طاقتور بنا

کر مسلمان قوموں کے ساتھ روا رکھی اور اس پر مستزاد یہ کی اپنے ذرائع ابلاغ اور نصاب تعلیم کے ذریعہ ان مظلوم قوموں کو اپنے (ظالمانہ) کردار سے ناواقف رکھنے کی کوشش کی اور نہ صرف یہ کہ اس سے ناواقف بنایا بلکہ اس کے برعکس یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یورپ کا ان مظلوم قوموں پر احسان ہے، وہ ان کے لیے شفیق و ہمدرد اساتذہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور محسن ہیں، لہٰذا ان قوموں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کو اور دنیا کی تمام قوموں کو انسانیت اور فضل و کمال کی قدریں یورپ سے ملیں، جہالت و تاریکی میں روشنی و بیداری کی قندیلیں ان کو یورپ نے فراہم کیں اور ساری دنیا کو رہبری و رہنمائی ہمیشہ ان ہی سے مل سکتی ہے، لیکن دنیا کی آنکھوں پر پردہ زیادہ دنوں تک نہیں ڈالا جاسکتا اور نہ تاریخ کے اصل سرچشموں سے دور رکھا جاسکتا ہے چنانچہ مسلمانوں میں جو کچھ بیداری شروع ہوئی اس نے ان کے شاندار ماضی اور یورپ کے ظالمانہ کردار سے واقفیت کی راہ پیدا کردی ہے، عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں تحریکیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں اور حوصلوں اور ہمتوں میں جان پیدا ہونا شروع ہوگئی ہے، جس کو یورپ کے ذرائع ابلاغ بنیاد پرستی قدامت پسندی بلکہ دہشت گردی کے ناموں سے منسوب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنے پروپیگنڈے میں ایک حد تک کامیاب ہیں کم از کم متعدد مسلمان ملکوں کے ذمہ داروں کو انہوں نے اس خیال کا بنا لیا ہے لیکن یورپ کے ذرائع ابلاغ کا یہ عمل زیادہ دنوں تک کامیابی حاصل نہیں کرسکے گا، کیونکہ یورپ کی سیاسی وابلاغی کوشش کے دوہرے پیمانے دنیا سے مخفی نہیں رہ پارہے ہیں، اس کا عربوں کے ساتھ ایک پیمانہ اور اسرائیل کے ساتھ دوسرا پیمانہ ہے، صومالیہ و خلیج عرب کے ساتھ ایک پیمانہ اور بوسنیا اور ترکستانی علاقوں کے لیے دوسرا پیمانہ، یہ دوہرا عمل یورپ کی بگلہ بھگتی کا راز پوری طرح افشاء کررہا ہے، مسلمانوں نے علم وطاقت میں جو تفوق حاصل کیا تھا، اس کا سلسلہ آٹھ صدیوں تک قائم رہا یورپ نے علم وطاقت میں جو کمال حاصل کیا ہے اس کو ابھی تین سو سال بھی نہیں ہوئے ہیں اور اس میں کمزوری شروع ہوگئی ہے اور اس کمزوری کے بڑھنے کی رفتار تیز ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ شاید صدی نصف صدی کے اندر یورپ کسی بھی نئی ابھرتی ہوئی طاقت کے نیچے چلا جائے گا اور پھر بتدریج اپنی سابقہ ظلمت گیری اور گداگری میں واپس ہوجائے گا کیونکہ اس کی بہت سے چھوٹی بڑی اکائیاں ہیں اور ان میں آپسی کشمکش اور اختلاف بڑھنے پر یورپ کی قوموں کی آپسی لڑائی میں مشغول کردے گا، اور پھر ان کی اقتصادی تگ ودو غلط راہوں پر پڑجانے سے مزید تباہی آئے گی اور ان کی طاقت کا غبارہ پھوٹ جائے گا۔

لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قیادت کی جگہ خالی ہونے پر اس جگہ کو کون پر کرے گا، یہ ایک سوال ہے جس کا جواب فی الفور آسان نہیں ہے، جب مسلمانوں کو دیکھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ ان میں ایک حوصلہ اور شعور تو بیدار ہونا شروع ہوگیا ہے، ان کے پاس ان کے شاندار ماضی کی مثال بھی موجود ہے اور علم وتمدن و کردار کی وہ عظیم قدریں بھی ان کے سامنے ہیں جو ہر زمانہ کے لیے تازہ و قابل استفادہ ہیں لیکن اس ماضی کی پیروی اور ان عظیم قدروں کو اپنانے کی ہمت اور جذبہ ابھی تک نہیں بیدار ہوسکا ہے، اس جذبہ کی کمی میں اس بات کو بہت دخل ہے کہ ان کو اپنے شاندار ماضی کا صحیح مطالعہ کرنے اور اپنے گذرے ہوئے زمانہ کے تلخ تجربات کو جاننے سے دلچسپی نہیں پیدا ہوسکی ہے، اگر وہ پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے حوصلے اور کارگزاری کا صحیح مطالعہ کرتے اور پھر گذشتہ صرف دو صدیوں کے مصائب کے اسباب کا مطالعہ کرلیتے تو ان کے ذہن کہیں سے کہیں پہنچ جاتے اور ان میں اپنے کو صحیح لائنوں پر منظم کرنے اور صحیح اور کارگر حکمت عملی اختیار کرنے کی فکر ہوتی اور سنگین ترین نتائج سے اپنے کو بچانے کی خاطر اپنے اجتماعی وملی مفاد کو اپنے شخصی و ذاتی مفاد پر ترجیح دینے کا حوصلہ بیدار ہوتا، اپنی ذاتی و شخصی شکست کو ملی و اجتماعی شکست کے مقابلہ میں برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوتی۔

# دنیا میں بدامنی کا ذمہ دار کون؟

مولانا واضح رشید حسنی ندوی

دنیا کے مختلف ملکوں میں دعوت اسلامی کی راہ میں مختلف النوع رکاوٹیں حائل کی جارہی ہیں، اور اسلام اور مسلمانوں پر ہر قسم کے الزامات عائد کیے جارہے ہیں، حتی کہ مسلم ممالک کی حکومتوں پر داعیانِ اسلام کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کی کارروائیاں بروئے عمل لانے کے لیے مغربی ممالک کی طرف سے دباؤ ڈالا جارہا ہے تاکہ اسلام ایسی قوت نہ بن سکے جن سے غیر اسلامی افکار کو خطرہ لاحق ہو یا جن کے نتیجے میں یورپ کی مادی تہذیب کے عیوب عیاں ہوں، اس دباؤ کی نوعیت ان ممالک کے حالات اور مزاج کے فرق سے الگ الگ ہوتی ہے، جن ممالک کا شمار تاریخی یا سیاسی لحاظ سے "اسلامی ممالک" میں ہوتا ہے، وہاں تو کھل کر اسلام کی مخالفت نہیں ہو پاتی، بلکہ ظاہراً تو اسلامی قوانین کو مضبوط بنانے کی پالیسی اپنائی جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان تحریکوں پر پابندی عائد کردی جاتی ہے جو مغربی تہذیب اور مغربی سامراج کے خلاف نبرد آزمائی کی روح پھونکتی ہیں، اور جو مسلمانوں کے اندر اپنے تشخص کو باقی رکھنے کا احساس پیدا کرتی ہیں، اور جن ممالک نے سیکولرزم یا اشتراکیت اختیار کی ہے وہاں داعیانِ اسلام یا شیدائیانِ اسلام اور حکام کے درمیان ایک کشمکش جاری رہتی ہے، اسلام پسندوں کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کردی جاتی ہے، انہیں تہمتوں اور ناروا حملوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اسلامی علوم وثقافت، مذہبی شخصیتوں اور اسلامی شعائر پر علی الاعلان حملے کیے جاتے ہیں، اور حکومت وقت مغربی افکار کے حاملین اور قلم کاروں کو اسلامی تاریخ، اسلامی شخصیتوں اور سلف صالحین کے خلاف اپنے نظریے اور افکار کو پھیلانے کی کھلی چھوٹ ہی نہیں بلکہ ترغیب دیتی ہے۔

اسلام کے خلاف مہم گذشتہ عہد میں کھلے الفاظ میں چلائی جاتی تھی، پہلے کھلم کھلا اور علی الاعلان اس سے عداوت کا اظہار کیا جاتا تھا، اور جو کوئی بھی اسلام کا نام لیتا یا اسلام کی دعوت دیتا تو اس سے حکومتیں برسرپیکار رہتی تھیں، اور اس پر قدامت پسند یا تہذیب نو کے مخالف ہونے کا الزام لگتا تھا، اسی طرح گذشتہ زمانہ میں بعض سوشلسٹ ذہنیت کے لوگ اسلام پسندوں کے لیے "ایجنٹ" ہونے کا لفظ استعمال کرتے تھے، جو کوئی اسلامی ادارہ قائم کرنے کے خواہاں ہوں یا دینی تعلیمات کو زندگی میں بروئے کار لانے کے کوشاں ہوں، تو ایسے حضرات کو وہ لوگ سامراج یا امریکہ کا ایجنٹ سمجھتے تھے، چنانچہ "اسلامی ادارے" کے بانیوں کو ایک عرصہ تک یورپی سامراج یا سرمایہ داری یا امریکہ کا ایجنٹ کہا جاتا رہا، جیسے امریکہ یا فرانس اسلام کے حامی ہوں، حالانکہ امریکہ، فرانس، برطانیہ تو مسلمانوں کے کٹر اور روایتی دشمن ہیں، وہ تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل میں بغض وحسد کی چنگاریاں رکھتے ہیں، اسی طرح کمیونزم بھی اسلام اور مسلمانوں کے موروثی دشمن ہیں، اس لیے کہ ان کے اندر یورپی عیسائی اور یہودی ہونے کی قومی عصبیت پائی جاتی ہے، چنانچہ صلیبی جنگوں کی قیادت ان ہی ممالک نے کی ہے جو آج یورپین ممالک میں سرفہرست آتے ہیں، ان میں بھی سب سے پیش پیش برطانوی، فرانسیسی، اطالوی اور اسپینی ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے خون کے دریا بہائے، ان کو گمراہ کرنے اور ذہنی طور پر سامراج بنانے کے منصوبے تیار کیے، کذب وافتراء پردازی کے مراکز قائم کیے، اور اسلامی کے خلاف ایسے واہیات وخرافات پھیلائے کہ جن کو سن کر ایک عقلمند اور مہذب شخص کا سر شرم سے جھک جائے، اور انہوں نے ایسے بے بنیاد وبے اصل قصے اور کہانیاں گھڑلیں جو ایک عام آدمی

کے معیار پر بھی نہیں اترتیں، انہوں نے ذاتِ نبوی، سنت رسول، کلام ربانی اور تاریخ اسلامی کو داغدار بنانے کی کوشش کی، انہی لوگوں نے اسلامی ممالک میں فتنوں کی آگ بھڑکائی۔

اور اس طرح کے حملے برابر جاری ہیں، باوجودیکہ بہت حدتک حجابات اٹھ چکے ہیں اور بہت سے مغربی حکماء وفلاسفہ اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ اسلام کے مطالعہ کے بعد ایمان ان کے دلوں میں گھر کر گیا، پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے، اور بہت سے انصاف پسندوں نے اس کا بھی اقرار کیا ہے کہ اسلام ایک عرصۂ دراز تک مظلوم بنا رہا ہے، اس پر بے بنیاد الزامات لگائے جاتے رہے ہیں، اور اس کی غلط تصویر پیش کی جاتی رہی ہے۔

جس زمانے میں اسلام کو موردِ الزام ٹھہرایا جارہا تھا، اور اس کے خلاف ایک بات بھی سننا گوارا نہیں ہوتا تھا، اور سارا یورپ حقیقت حال سے ناآشنا اور نور اسلام سے بیگانہ تھا، اس زمانہ میں اسلام پر رجعیت، قدامت پرستی اور پسماندگی کا الزام لگایا جاتا تھا، لیکن آج صورت حال بدل چکی ہے، اب یہ دشمنانِ اسلام اسلام کے نام سے اپنی مخالفت کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ یہ دہشت پسندی اور مذہبی انتہاپسندی کے نام سے حملہ کرتے ہیں۔

پہلے ان کا اعتراض یہ ہوتا تھا کہ اسلام تلوار کے سائے تلے اپنے مذہب کی اشاعت کرتا ہے، لیکن تاریخ نے یہ ثابت کردیا کہ دشمنانِ اسلام ہی اپنے مخالفین کے خلاف تلوار کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، اور اسی تھوڑی سے مدت میں ان کی تلواروں کے ذریعہ مقتولین کی تعداد کہیں زیادہ ہے، اس تعداد سے جو اسلام کی ایک ہزار سالہ تاریخ میں پائی جاتی ہے۔

اسی طرح پہلے ان مخالفین کا دعوی تھا کہ اسلام علم کا دشمن ہے، مگر تاریخ نے یہ ثابت کردیا کہ مخالفین اسلام ہی علم کے زیادہ دشمن ہیں، وہ جس ملک میں بھی سامراج کے سائے میں داخل ہوئے، انہوں نے وہاں کے تمام علمی مراکز حتیٰ کہ زبان ولغت، تہذیب وثقافت، عادات واطوار سب کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیا، مدارس و مکاتیب پر تالے لگوادیے، کتابوں کی اشاعت پر پابندی لگادی، اور اپنی زبان وتہذیب کو وہاں کے عوام پر تھوپا۔

ان دشمنان اسلام کا اسلام پر ایک اعتراض یہ تھا کہ اسلام میں ایک سے زائد شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اور یہ شہوتِ نفسانی کے غلبہ کی دلیل ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان کے عہد میں بے حیائی وبداخلاقی، عشق ومعاشقہ اور غلط تعلقات کی جو ایک عام فضا بن گئی ہے، اس کو یہ لوگ تہذیبی پیش رفت کی دلیل قرار دیتے ہیں، اور تعلیم وتربیت ودفاتر میں مرد وزن کے اختلاط اور بڑے پیمانہ پر جنسی تعلقات بڑھانے کو موجودہ ثقافت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔

دشمنان اسلام کے لیے اس طرح کی دلیلیں بہت تھیں، مگر اب یہ سارے دلائل اپنی اہمیت کھو چکے ہیں، اس لیے اب ان لوگوں نے اسلام کے نام پر کھلی دشمنی کرنا چھوڑ دیا ہے، اور انہوں نے اب سیاسی اور نفرت آمیز عنوان یعنی دہشت انگیزی اور انتہا پسندی کا عنوان تجویز کیا ہے، لیکن اگر کوئی شخص مغربی تہذیب اور اس کے تابع موجودہ نظاموں کا جائزہ لے تو وہ فوراً اس نتیجہ تک پہنچے گا کہ خود اس تہذیب کی بنیاد ہی ارہاب وتطرف (دہشت انگیزی وانتہاپسندی) پر مبنی ہے، اور اس کے تمام مراکز یورپ میں پائے جاتے ہیں، وہاں باضابطہ دہشت انگیزی کی ٹریننگ دی جاتی ہے، ان لوگوں میں اسلحے تقسیم کیے جاتے ہیں، اور دہشت گرد جماعتوں کو امداد دی جاتی ہے، ان کی سرگرمیوں کو سراہا جاتا ہے، جس شخص کی بھی حالاتِ حاضرہ پر نگاہ ہو اور وہ اخباروں کا مطالعہ کرتا ہو، وہ عالمی دہشت گرد تنظیموں کی رپورٹوں سے واقف ہوگا، اٹلی، فرانس، جرمنی، برطانیہ، پرتگال، یونان وغیرہ کا دہشت پسندوں کی ٹریننگ میں ایک نمایاں کردار رہا ہے، مازینی اور مکیافیل بھی اٹلی ہی کے رہنے والے تھے، موجودہ فکر پر انہی دونوں کا خاص اثر ہے، بلکہ موجودہ دنیا میں دہشت گردی کی بنیاد ہی ان دونوں کے نظریے پر قائم ہے، اسی طرح ماسونی تحریک کا اصل مرکز یورپ ہی ہے، وہیں سے دہشت گردوں کی مختلف ٹیمیں مختلف علاقوں میں بھیجی جاتی ہیں،

اور یہی یورپین ممالک اس وحشیانہ عمل میں صہیونی تحریک کی تائید کررہے ہیں، مگر سارے عالم کے جذبات واحساسات کی انہیں کچھ پروانہیں، ان تنظیموں کو ہوا دینے میں جو نسلی امتیازات کو پروان چڑھانے اور بنیادی آزادی کو ختم کرنے کی مشن پھیلا رہی ہیں، اسی طرح یہ ممالک مسلمانوں کی اغلبیت والے دیش میں بھی علی الاعلان داعیانِ اسلام کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، اور جو یورپ میں قیام پذیر مسلمانوں کو دیش سے نکال دینے کی دھمکیاں اور اپنے شعائر و عبادات سے دستبردار ہوجانے کا مطالبہ پیش کرتے ہیں۔

تو اب فیصلہ قارئین کرام کے ہاتھ میں ہے کہ دنیا کے لیے کون سا ارہاب زیادہ خطرناک ہے، اسلامی جماعتوں کا ارہاب جو محدود وسائل سے بھی محروم ہے یا یورپی ممالک کا ارہاب جو عظیم جنگی وسائل سے لیس ہیں، اور جن کا اقتصادیات پر قبضہ ہے؟

اسلام کی طرف بلانے والے تو بلند اقدار، روایات، حقیقی سعادت وکامرانی، انسانی عزت وشرافت، عدل ومساوات اور مختلف مادی عبادتوں سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے ہیں، ظلم و بربریت، فتنہ وفسادات اور ہلاکت و بربادی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں، لیکن ان کے دشمنان کا نعرہ ہے کہ امن وامان کو غارت کردیا جائے، لوگوں کی جانیں اور ان کے مال مباح کردیے جائیں، یہ لوگ انسانی ترقی کی راہ میں حائل بنے ہوئے ہیں، اور یہی فسادات کی جڑ ہیں، حکومتوں اور انسانی سوسائٹیوں کو داؤں پر لگا رہے ہیں، ہلاکت وتباہی کے وسائل فراہم کررہے ہیں، انسانی عزت وشرافت کا سودا کررہے ہیں، ایک محدود اور علاقائی ثقافت وکلچر کا سارے عالم کو پابند کرنا چاہتے ہیں، اور یہی لوگ قوموں کے معاشی وسائل پر قابض ہو کر ان کی ترقی اور خود اعتمادی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تو اب اہل دانش فیصلہ کریں کہ انسانیت کو خطرہ کس جماعت سے لاحق ہے؟

# کل اور آج

تو کبھی سربلند وبالا تھا
سب سے افضل سب سے اعلی تھا
عاشق دینِ مصطفیٰ تھا تو
حق کی خاطر تو مرنے والا تھا
تیرے قدموں میں تاج ودولت تھی
تو بلندی کا وہ ہمالیہ تھا
سر جھکاتے تھے قیصر وکسری
ہر جگہ تیرا بول بالا تھا
اپنے جبر وعمل پہ زندہ تھا
زندگی سے نبھانے والا تھا
ظلمتیں تجھ سے خوف کھاتی تھیں
تجھ سے ہی ہر طرف اجالا تھا
حق نگر ، حق پسند تھا تو
تو ہی ایمان کا مقالہ تھا
اب مگر کچھ نہیں تیری ہستی
داستان الم ہے تری ذات
زندگی نے کیا تجھے رسوا
ہر قدم پہ تو کھا رہا ہے مات
دل بھی ہے ، ہاتھ بھی خالی ہے
آج تجھ میں نہیں ہے کوئی بات
بے خبر ہے مگر ابھی تک تو
مر گئے کیا تیرے وہ احساسات
خود کو پامال اس طرح مت کر
مت کچل اس طرح سے تو جذبات
یہ زمین آسمان تیرے ہیں
تیرے ہی واسطے ہیں موجودات
حوصلہ کر تو دن یہ تیرا ہے
حوصلہ کر تو ہے تیری یہ رات
خواب غفلت سے جاگ باہر آ
غار ذلت سے اب تو باہر آ

خالد عباسی

# قرآن حکیم اور تعمیر انسانیت

مولانا سید محمد میاںؒ (سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند)

آج جب کہ ملوکیت ساری دنیا سے ختم ہوگئی، جاگیرداری کی بوسیدہ دیواریں گر رہی ہیں، سرمایہ داری کا چراغ گل ہو رہا ہے، جمہوریت کا دور دورہ ہے، عوامی حکومتوں کا ستارہ بلند ہو رہا ہے، سامراج کے محلوں پر پنچایتی راج کے جھنڈے لہرا رہے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ دولت امن مفقود ہے، عوال کی بے چینی بحال ہے، بلکہ کچھ زائد ہے، فارغ البالی، اطمینان وخوشحالی کے وہ خواب جو انقلاب سے پہلے دیکھے جاتے تھے شرمندۂ تعبیر کیوں نہیں ہو رہے۔

یہ سوال ہر ایک سمجھ دار کے سامنے ہے، اس کے جواب بھی بار بار پریس کانفرنسوں یا اخبارات کے ذریعہ دئے جاتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کی تعلیمات پر اگر ہم غور کریں تو اس ناکامی کے دو سبب ہیں اور جس قدر غور کیا جائے یہی ثابت ہوگا کہ ناکامی کے اصل سبب یہی ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ملوکیت اور جاگیرداری اگرچہ ختم ہوگئی مگر لوازم ملوکیت ختم نہیں ہوئے، وہ اصل خرابی جس کی بنا پر ملوکیت، جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ نظام کی مذمت کی جاتی ہے وہ وہ ہے جس کو قرآن حکیم نے، اسراف اور فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ''رفاہیت بالغہ'' یعنی شاہانہ تکلفات اور عیش پرستی، مثلاً بیش قیمت لباس، بیش قیمت فرنیچر، عالی شان بلڈنگس، گراں بہا سامان تکلفات، رقص وسرور اور شراب وکباب سے تعبیر کیا ہے۔

یہ چیزیں ہیں جو اقتصادی نظام کو درہم برہم کرتی ہیں، اونچے طبقہ کے آدمی جب ان تعیشات میں مبتلا ہوجاتے ہیں، تو چھوٹے آدمی لامحالہ ان کے نقش وقدم پر چل کر اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالنے کے لیے پریشانیوں اور بے اطمینانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر ان کی طبیعت میں دنائت اور خباثت ہوتی ہے تو رشوت، قمار، ڈاکہ اور چوری کے ذریعہ رقمیں اینٹھتے ہیں، اور شاہانہ زندگی کے تکلفات پورے کرتے ہیں۔

اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ملوکیت کے خاتمہ سے پہلے لوازم ملوکیت ختم کیے جائیں، کیوں کہ اقتصادی بحران اور عوام کی تباہ حالی کی اصل بنیاد یہ نہیں ہے کہ ملک کا کوئی ایک شخص بادشاہ کہلاتا ہے، بلکہ اقتصادی بحران کی اصل چیز، یہ عیش پرستی، نزاکت آفریں، زینت وزیبائش اور امیرانہ ٹھاٹھ اور شاہانہ تکلفات ہیں۔

قرآن حکیم، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کی زندگی پر نظر ڈالو، وہ لوازم ملوکیت پر لعنت بھیج کر کس طرح مساوی زندگی کی مقدس کی سطح اختیار کر رہے ہیں۔

دور حاضر کی سیاست اس لیے دولت اطمینان سے محروم ہے کہ وہ ملوکیت وسرمایہ داری پر تو لعنت بھیج رہی ہے مگر اس کی روح کو فنا کرنے کی کوشش نہیں کر رہی ہے، بلکہ معیار زندگی کی بلند کرنے کا نعرہ لگا کر اور اس پردہ میں لوازم ملوکیت باقی رکھ کر روح ملوکیت کو اور تازہ کر رہی ہے۔

موجودہ تباہ حالی اور اضطراب وبے چینی کا دوسرا سبب جو پہلے سبب سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں جمہوریت کی باگ ڈور ہے ان کے دل فکر واحتساب سے بے نیاز ہیں، وہ محاسبہ کا اختیار صرف عوام کو دیتے ہیں، جن کو فریب دینے کے طریقے وہ پہلے سیکھ لیتے ہیں، لہٰذا ان کے کام زیادہ تر نمائشی ہوتے ہیں تاکہ رائے عامہ ان کے حق میں رہے

اوراس نازک وقت میں جب ہرایک مہذب اقتدار پسند ووٹوں کی بھیک مانگنے کے لیے عوام کے دروازوں پر جائے تو ان کے پاس چند نمائشی کارناموں کی سند موجود ہو۔

یہ تصور کہ مادیت سے بلند وبالا ایک ایسا عالم الغیب بھی ہے جو اس کے ہرایک فعل ہرایک عمل اور ہرایک حرکت وسکون کا نگراں ہے، جو اس کے دل ودماغ، قلبی رجحانات اور ان جذبات کی بھی کڑی نگرانی رکھتا ہے، جو دل کے گوشوں میں اندر ہی اندر ابھرتے ہیں اور جب امن عالم اور جمہوری مفاد کا نظر فریب چلمن ڈال کر سامنے آتا ہے تو طوفان برپا کردیتا ہے، جس کے سامنے تہ خانے راز ونیاز کے دھندلکے بھی ایسے ہی روشن ہیں، جیسے تماشا گاہ کے جگمگاتے ہوئے اسٹیج کے نظارے جو کیبنٹ میٹنگ اور پارٹی میٹنگ کی پراسرار تجویزوں کو بھی ایسے ہی جانتا ہے جیسے پلیٹ فارم کی بلند بانگ تقریروں اور جلوس کی فلک شگاف نعروں سے واقف ہوتا ہے اور یہ خوف کہ عالم الغیب کے سامنے ہمیں اپنے تمام افعال واعمال کا جواب دینا ہے اور یہ اندیشہ کہ وہ واقف اسرار ہمارے خیالات وجذبات کا بھی محاسبہ کرے گا اور ہمیں اپنے عمل وکردار کی پاداش بھگتنی ہوگی۔

دور حاضر کی سیاست کے ارباب اقتدار چونکہ اس عقیدہ ہی کو عہد قدیم کی دقیانوسی یادگار تصور کرتے ہیں، لہٰذا یادگار عالم الغیب میں جواب دینے اور محاسبہ کے خوف سے (جس کو اصطلاح شریعت میں تقویٰ کہا جاتا ہے) ان کا دل ودماغ ناآشنا ہے، اس لیے جو فعل ہوتا ہے وہ بیشتر نمائشی، یہاں تک کہ عوام کے اس یقین کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ ان ارباب اقتدار کی کوششیں زیادہ تر اس لیے ہوتی ہیں کہ ان کی قیادت باقی رہے اور جو کرسی ان کو مل گئی ہے اس کو خطرہ لاحق نہ ہوسکے۔

شاذ ونادر کچھ افراد ایسے ہیں جن کے دلوں میں انسانیت کا درد ہے، اور یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ محض نمائش کے لیے نہیں بلکہ انسان کی فلاح وبہبود کا ذریعہ سمجھ کر وہ اصول جمہوریت تسلیم کرتے ہیں، اور سچائی سے اس پر عمل کرتے ہیں۔

ایسے افراد کا عمل اور کردار غرض اور ذاتی مفاد آلائش سے پاک ہوسکتا ہے، مگر وہ تڑپ جو فاروق اعظمؓ کی طرح ان پر راحت اور آرام حرام کردے اور رات کی میٹھی نیند چھوڑ کر شہری گلیوں اور کوچوں میں گشت کرتے پھریں کہ اگر کوئی مریض درد سے کراہ رہا ہے تو اس کے علاج کی کیا صورت ہو؟ اگر کسی بیوہ کے بچے فاقہ سے تڑپ رہے ہوں تو ان کا پیٹ کس طرح بھرا جائے، اگر کوئی لاوارث اندھی بڑھیا اپنا کام نہیں کرسکتی تو اس کی خدمت کی کیا شکل ہو؟

یہ تڑپ جو ہارون الرشید جیسے بادشاہ کو شب بیداری اور رات کے گشت پر مجبور کرتی ہے، جو محمد بن تغلق جیسے فاتح کو آمادہ کرے کہ وہ ہندو مدعی کے جواب دعوے کے لیے قاضی کی عدالت میں حاضر ہو اور اگر قاضی کا فیصلہ ہو کہ محمد بن تغلق نے مدعی کو بلاسبب مارا ہے لہٰذا مدعی سے معافی مانگے، ورنہ قصاص ادا کرے تو محمد بن تغلق کے لیے نہ صرف آمادہ ہوجاتے ہیں بلکہ بقول ابن بطوطہ: ''یہ مدعی کو اپنے سامنے پیش کردے اور جس طرح بادشاہ نے مدعی کو مارا تھا ایسے ہی مدعی بادشاہ کے بید لگائے، یہاں تک کہ بادشاہ کی کلاہ بھی سر سے گر جائے''۔

وہ تڑپ جو جہانگیر جیسے بدنام بادشاہ کے دل میں تھی، ایک دفعہ ایسی کڑھن پیدا کردے کہ وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر دعوے قتل کی جواب دہی کرے اور جب ایک گستاخ نوجوان کے قتل ناحق کا جرم ثابت ہوجائے تو قاضی کے فیصلہ قتل پر تصدیق کے دستخط ثبت کرے، اور حکم صادر کرے کہ ملکہ نور جہاں کو کشاں کشاں قتل گاہ پہنچایا جائے اور جب قانون شریعت کے مطابق اولیاء مقتول کے معاف کردینے سے نور جہاں کی جان بخشی جائے تو حسرت اور مسرت کے لہجہ میں بارگاہ میں یہ عرض کرے '' اگر تو کشتہ شدی من بیچارہ چہ کردی'' بہرحال یہ اضطراب اور یہ تڑپ اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک ارباب اقتدار مالک حقیقی اور خالق کائنات کو محاسب اور نگراں مان کر اس کا خوف دل میں پیدا نہ کریں۔

# اسلام اور قربانی

مولانا اسرار الحق قاسمی

''قربانی'' ایک ایسا عظیم اور معنی خیز لفظ ہے جس کے زبان پر آتے ہی خانوادہ ابراہیمی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قربانیوں کی مکمل تاریخ آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے، جس جس طریقے سے ان کو آزمایا گیا ہو، جن جن چیزوں سے ان کی آزمائش کی گئی ہو وہ ساری داستان پارینہ چاہیے بادشاہ وقت نمرود کی ظلم وزیادتی ہو، بت گر اور بت فروش آزر سے مناظرہ و مباحثہ ہو، فرعون زماں کے ساتھ پنجہ آزمائی ہو، خلیل اللہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صحرانوری یا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا سفر طائف اور شعب ابی طالب کی دشوار گذار زندگی، عبرت و موعظت کی یہ ساری داستان ''قربانی'' کے دامن میں سمٹ گئی ہے، اگر ان واقعات و حادثات اور ابتلاء و آزمائش کی تاریخ پڑھنا چاہیں تو لفظ ''قربانی'' کی معنویت پر غور کرنا ہوگا اور اس تاریخ ساز قربانی کو زندہ کرنا ہوگا، بقول شاعر ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

ان قربانیون کے اندر روح کو تڑپانے اور قلب کو گرمانے کا سامان، دنیا کو چھوڑ کر عقبیٰ کی تلاش اور فانی کو بھول کر باقی کو یاد رکھنے کا سبق موجود ہے، جسے ہم لفظ ''قربانی'' کے اندر دیکھ سکتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں۔ دنیا جو کہ فانی اور ختم ہوجانے والی ہے ،اس کی ہر خوشی اور ہر کامیابی ایثار و قربانی کی مرہون منت ہے۔ محو فرحت وانبساط کا کوئی لمحہ اور خوشی و مسرت کی کوئی گھڑی قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی، ایک بچہ جب اس دنیا کے اندر قدم رکھتا ہے تو اس کے اہل خانہ خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں، ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے، دوستوں اور رشتہ داروں میں شیرینی تقسیم کرتے ہیں، جب کہ دوسری طرف بچہ رو رہا ہوتا ہے، چیختا اور چلاتا ہے، اس کی ماں درد سے کراہتی اور بے چین ومضطرب رہتی ہے، ایسے ہی ایک عورت جب سج دھج کر سسرال پہنچتی ہے تو اس ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں، ہر چہرہ پر مسرت کے آثار ہوتے ہیں، جب کہ دوسری طرف ایک خاندان سوگوار ہوتا ہے، والدین بھائی بہن اور عزیز و اقارب سبھی ہی غمزدہ ہوتے ہیں، یہ اور اس طرح کی بہت ساری خوشیاں جو بظاہر خوشی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اس کے پیچھے قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ کارفرما ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں یہ خوشیاں وجود میں آتی ہیں۔

والدین اپنے بچوں کے لیے، عورت شوہر کے لیے، خادم آقا کے لیے اور بچہ اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کے لیے مختلف قسم کی صعوبتوں اور پریشانیوں کو برداشت کر کے عیش اور راحت کا سامان فراہم کرتے ہیں، تو جس طرح سے ماں اپنے بچوں کے لیے اور بیوی شوہر کے لیے ہر تکلیف اور ہر رنج کو سہتی ہے اور برداشت کرتی ہے تاکہ انہیں کسی طرح کی تکلیف نہ ہو اور انہیں سکون و آرام مل سکے، ٹھیک اسی طرح انبیاء کرام کی زندگی جو ابتلاء و آزمائش سے بھرپور ہوتی ہے، محض اسی لیے کہ وہ اپنی امت کو دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی اور آخرت کے دردناک عذاب سے بچا سکیں:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے

ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے بچالیا)۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اسی لیے ہوا کرتی تھی کہ وہ بھٹکی ہوئی امت کو سیدھا راستہ دکھائیں اور لوگوں کو مختلف خداؤں کے بجائے خدائے وحدہ لاشریک کے در پر جھکنا سکھائیں، اس فریضہ کی ادائیگی میں انہیں ابتلا و آزمائش کی ہر منزل سے گذرنا پڑا اور انہوں نے یہ ساری تکلیفیں ہنسی خوشی گذار دیں، کبھی نمرود کی دہکتی ہوئی آگ کا سامنا، تو کبھی فرعون کے لشکر جرار سے نبرد آزما ہوئے، شعب ابی طالب مین قید و بند کی زندگی گذاری تو کبھی طائف کی گلیوں میں ان پر پتھر برسائے گئے، تاریخ کے صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ دنیا کی سخت سے سخت مخالفت کے باوجود کامیابی ہمیشہ حق اور حق پرستوں کی ہی ہوئی ہے، اور انبیاء کی قربانیاں کبھی بھی ضائع نہیں ہوئی ہیں۔

تاریخ کی انہی عظیم قربانیوں میں سے ایک قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے، جب وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو خدائے بزرگ و برتر کی رضا و کوشنودی کے لیے ذبح کرنے کے لیے لے گئے اور آپ نے ان کے گلے پر چھری بھی چلادی، مگر نہ چھری چلی اور نہ اس کو چلنا تھا۔ اس لیے کہ مقصد تو صرف امتحان لینا تھا، ان کو آزمانا تھا، سو آزمایا جاچکا تھا، آسمان سے ندا آئی: ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (الصافات:۱۰۷) (اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیہ مین دے کر اس بچے کو چھڑالیا)

اللہ رب العزت نے انسانوں کو کو حیات مستعار عطا کی ہے، اس کا مقصد صرف اور صرف یہی ہے کہ وہ ابتلاء و آزمائش کی بھٹی سے گذرے تاکہ اس کے اچھے برے کو پرکھا جائے اور دیکھا جائے کہ ان میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك: ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہر طرح کی آزائش اور امتحان سے گذارا گیا اور نہ صرف آپ بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے اہل خانہ حضرت ہاجرہ اور صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام بھی آزمائے گئے اور سب سے مکمل صبر و تحمل کے ساتھ ان مشکل ترین حالات کا سامنا کیا، یہاں تک کہ ذبح اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کو اطمینان و یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

﴿قال يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاء اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ (الصافات:۱۰۲) (حضرت اسماعیل نے کہا: ابا جان جو کچھ آپ کو حکم دیا جارہا ہے اسے کر ڈالیے آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں سے پائیں گے)

باپ اور بیٹے کی یہ قربانی بارگاہ ایزدی میں اس قدر قبول و محبوب ہوئی کہ اس کو بطور نشانی کے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے باقی رکھا، تاکہ انسان ان اولوالعزم پیغمبروں کی قربانی سے سبق لیں اور رضائے الٰہی کے حصول کے لیے ہر طرح کی دشواریوں اور مشکلوں سے گذر جانے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا کرنا سیکھیں۔

آج انسانیت بے حیائی، فحاشی اور ظلم و ستم کے جس دہانے پر کھڑی ہے، وہاں سے اس کا لوٹنا بہت ہی مشکل ہے، آج نہ تو کسی عزت دار کی عزت محفوظ ہے، نہ کسی سرمایہ دار کی دولت، نہ یتیموں کا مال محفوظ ہے، اور نہ بیواؤں کی عفت و عصمت، بے حیائی گھر گھر ناچ رہی ہے، عریانیت ہر در پر دستک دے رہی ہے، اس کریہہ اور گھناؤنے منظر سے روح انسانی تڑپ رہی ہے، ہر روز ہوس کے بازار میں عزت و ناموس کی نیلامی ہوتی ہے، ایمان و اخلاق کے نام پر بے ایمانی، کفر و الحاد، وفا کے نام پر بدعہدی اور خلاف ورزی یہ سب روز و شبینہ کا معمول بن گیا ہے، آج زمانے کو پھر اگر کسی دور ابراہیمی، نوید مسیحا اور دعوت محمدی کی تلاش ہے، انہیں قربانیوں کی ضرورت ہے، جیسے انبیاء کرام علیہم السلام نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے لیے پیش کی تھیں، جس طرح سے خاتم الانبیاء محمد عربی ﷺ نے طائف کی گلیوں میں پتھر کھائے تھے، احد کے میدان میں آپ ﷺ پر نیزہ و خنجر آزمائے گئے تھے، آپ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، آپ ﷺ کے اوپر خانۂ خدا میں

گندگیوں کا ڈھیر ڈالا گیا تھا، آپ ﷺ کے صحابہ کو سخت سزائیں دی گئی تھیں، ان کو سخت دھوپ میں پتھروں پر لٹایا گیا تھا، ان کے سینوں پر پتھر رکھے گئے تھے، گھر سے بے گھر کیا گیا تھا، اور تیرو نشتر کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

آج پھر اسی ابراہیمی ایمان اور اسماعیلی قربانی کی ضرورت ہے، ایمان کی بقاء، ماؤں اور بہنوں کی عزت وناموس کی حفاظت، انسانی ہمدردی، اخوت، بھائی چارگی، گریبوں سے انس، یتیموں سے محبت، بیواؤں کی کفالت، یہ سب چیزیں ہم سے تقاضہ کرتی ہیں کہ ہم اپنے عیش وآرام، راحت وسکون کو ٹھکرا کر اپنے گھروں اور خانقاہوں سے باہر نکل کر منبر ومحراب سے اتر کر انسانیت کی چوکھٹ پر قدم رکھیں، جہاں انسانیت دم توڑ رہی ہے، اس کا گلا گھونٹا جارہا ہے، بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ بنایا جارہا ہے، جہاں عریانیت کا ننگا ناچ ہورہا ہے، عورتوں کو Modernity اور Development کے نام پر بازاروں اور قحبہ خانوں میں سرعام نیلام کیا جارہا ہے، بھائی بہن، ماں باپ اور بہو بیٹیوں کے رشتے مجروح ہوکر رہ گئے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ عیدالاضحیٰ کے اس مبارک موقع پر ہم اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کو یاد کریں اور خدا کے پیغام کو بندگان خدا تک پہنچانے کا عزم اور ارادہ کریں، انسانیت کا کھویا ہوا وقار اس کی لٹی ہوئی متاع عزت نفس دوبارہ ان تک پہنچانے کی کوشش کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہم ہر طرح کی قربانی پیش کرکے اپنی معاشی، معاشرتی، دینی اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی، انفرادی اور اجتماعی ہر طرح کی زندگی کو کامیاب اور بہتر بنائیں گے اور اس عہد کو پورا کریں۔

﴿إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الإنعام: ۱۶۲) (میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے)۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی خدمت کے لیے قبول کرے اور دین پر چلنا آسان کردے۔ آمین!

# ذی الحجہ کی خاص دو عبادتیں

عبدالرحمٰن ندوی

''اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ میں دو اہم عبادتیں رکھی ہیں، جن میں سے ایک فرض (حج) ہے اور دوسری واجب (قربانی) ہے، ایک طرف حج جیسے اہم رکن کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی زمانہ کو منتخب کیا، اور دوسری طرف حضرت ابراہیمؑ کی فقید المثال قربانی کی اس عظیم سنت کے لیے بھی اسی زمانے کو منتخب کیا، اور یہ دونوں عبادتیں ایسی ہیں کہ ان ایام کے سوا کسی دوسرے ایام میں اس کا کرنا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں اس کو خاص کررکھا ہے، اللہ تعالیٰ کا اس زمانے کو یہ امتیاز بخشنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایام اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز ومکرم ہیں۔

ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص ان ایام میں سے ایک دن روزہ رکھے تو ایک روزہ ثواب کے اعتبار سے ایک سال کے روزوں کے برابر ہے یعنی ایک روزہ کا ثواب بڑھا کر ایک سال کے روزوں کے ثواب کے برابر کردیا جاتا ہے، اور فرمایا کہ ان دس راتوں میں ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے یعنی اگر ان راتوں میں سے کسی بھی ایک رات میں عبادت کی توفیق ہوگئی تو گویا کہ لیلۃ القدر کی عبادت کی توفیق ہوگئی (ترمذی)

اس حدیث پاک سے تمام اعمال صالحہ کا ثواب عشرۂ ذی الحجہ میں بہت بڑھ جاتا ہے، رمضان کے روزے کیونکہ فرض ہیں اس لیے ان کا ثواب زیادہ ہے، ذی الحجہ میں نفلی روزے افضل ترین روزے ہیں لیکن دسویں کا روزہ عید کی وجہ سے ناجائز ہے، عرفہ کا روزہ ان لوگوں کے علاوہ جو میدان عرفات میں ہوں افضل ترین روزہ ہے، اہل عرفات کیونکہ گرمی کی شدت، وقوف عرفہ (یعنی میدان عرفات میں سر کھلے دعا کی حالت میں ہونے) کی وجہ سے انتہائی پریشانی میں ہوتے ہیں، اس لیے ان کی سہولت کی خاطر ان کے لیے روزہ مستحب نہیں ہے۔''

# جڑوں کے بجائے پتوں پر پانی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

خدا کا نظام یہ ہے کہ جو چیز اہم بھی ہوتی ہے اور نازک بھی اسے حفاظتی حصار میں رکھا جاتا ہے، انسان کے ہاتھ پاؤں پر کوئی حصار نہیں رکھا گیا لیکن دماغ کو سخت ہڈیوں والی کھوپڑی کے اندر رکھا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کا تحفظ ہو سکے، دل کی جگہ سینہ کی لچکدار ہڈیوں کے بیچ رکھی گئی تا کہ زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے، آنکھوں پر پلکوں کا پہرا بیٹھایا گیا، یہ ان اعضا کی تحقیر ہے یا ان کی حفاظت؟ بلکہ ان کا اعزاز؟ نباتات ہی کو دیکھئے، اگر آم پر دبیز چھلکوں کا لباس نہ ہوتا تو کیا مکھیوں اور بھیڑوں سے بچ کر وہ انسانوں کے ہاتھ آسکتا؟ اگر چاول اور گیہوں کے دانوں پر ان کی حفاظت کے لیے چھلکے نہ ہوتے تو انسان انہیں اپنی خوراک بنا بھی سکتا؟ خود انسانی معاشرہ میں دیکھئے، ملک کا ایک عام شہری کھلے عام ہر جگہ آمد و رفت کرتا ہے، نہ اس کے ساتھ سیکوریٹی گارڈ ہے نہ اس کی رہائش گاہ پر پہرہ دار ہیں جب کہ اہم شخصیتوں کے لیے تحفظ کا خصوصی نظم کیا جاتا ہے۔

مردوں اور عورتوں میں عورتیں حفاظت کی زیادہ مستحق ہیں، خدا نے ان کو مردوں کے لیے وجہ کشش بنایا ہے اسی لیے ان کی تراش و خراش میں حسن کاری اور لطافت کو قدم قدم پر ملحوظ رکھا گیا ہے، اور لطافت، نزاکت، کو چاہتی ہے، اسی لیے بھینس اور بیل تو لطافت سے خالی ہیں، مگر خدا نے ہرن کو نازک اندام اور سبک خرام بنایا ہے، عورتوں کے اس تخلیقی پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے وہ حفاظت کی زیادہ مستحق ہوتی ہیں، اگر کسی کا لڑکا شہر جائے، اسے چار بجے شام کو آجانا چاہیے تھا، لیکن وہ رات کے دس بجے لوٹے، تو اس سے گھبراہٹ نہیں پیدا ہوتی لیکن اگر یہی واقعہ کسی لڑکی کے ساتھ پیش آئے تو دل کا قرار چھین جاتا ہے اور ماں باپ کی کروٹیں بے سکون ہو جاتی ہیں، اسی کو دیکھئے کہ پوری دنیا میں اور ہندوستان میں بھی مردوں اور عورتوں کے عددی تناسب میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے، خدا نے ان دونوں صنفوں کو ایک توازن کے ساتھ پیدا فرمایا ہے تا کہ دونوں طبقات کی ضرورتیں پوری ہو سکیں اور پوری دنیا میں سو سال سے زیادہ عرصہ سے جمہوریت سکہ رائج الوقت بنی ہوئی ہے، جس کا ایک نعرہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دینا بھی ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی عورتیں حقوق مانگتی ہیں اور مرد انہیں حقوق و اختیارات دیتے ہیں، یہ فرق کیوں ہے؟ کیوں امریکہ و روس میں آج تک کوئی خاتون صدر نہیں بن سکی اور یورپ میں مارگریٹ تھیچر کے علاوہ کوئی خاتون وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر نہیں پہنچ سکی؟ یہ ظلم و حق تلفی کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ قانون فطرت کا فیصلہ ہے، قدرت نے خود دونوں کی صلاحیتوں میں فرق رکھا ہے اور صلاحیتوں کے لحاظ سے دائرۂ کار متعین کیا ہے۔

پردہ بھی اسی فرق کا ایک حصہ ہے، جانور بھی کھاتے پیتے ہیں اور شہوانی جذبات رکھتے ہیں لیکن ان کی فطرت لباس کے تصور سے عاری ہے، انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو عریانیت سے بچائے اور لباس زیب تن کرے، وہی فطرت اس بات کا بھی مطالبہ کرتی ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں زیادہ ڈھکی چھپی ہوں، فرض کیجیے: دو لڑکیاں راستہ سے گزر رہی ہیں، ایک لڑکی کا لباس چست اور شوخ ہو، اس کا سر کھلا ہو، اس کے بازو کھلے ہوں، اس کا پیٹ نگاہِ ہوس کو دعوت نظارہ دیتا ہو اور اس کا کسا ہوا لباس جسم کے نشیب و فراز کو نمایاں کرتا ہو، دوسری لڑکی سر تا پا نقاب میں ہو یا کم سے کم ڈھیلا ڈھالا لباس اور سر پر دوپٹہ ہو تو اوباش قسم کے لڑکے ان میں سے کس کو چھیڑنے کی کوشش کریں گے؟ ہوس ناک

نگاہوں کا تیر کس کی طرف ہوگا؟ برائی کے جذبات ان میں سے کس کے تئیں دلوں میں کروٹ لیں گے؟ یقیناً بے پردہ لڑکی اس کا نشانہ بنے گی۔ جب بھی یہ بات کہی جاتی ہے کہ لڑکیاں چست اور نیم عریاں لباس پہن کر بازاروں اور تعلیم گاہوں میں نہ جائیں، رات دیر گئے تنہا نہ نکلیں کیونکہ اس سے جرم کی تحریک پیدا ہوتی ہے تو افسوس کہ کئی تنظیمیں اس معقول تجویز کے خلاف ایسا شور برپا کردیتی ہیں کہ تجویز واپس لینی پڑتی ہے۔

خواتین سے بنیادی طور پر ایسی ذمہ داریاں متعلق کی گئیں جو اندرون خانہ کی ہیں اور انہیں شمع محفل بننے کے بجائے گھر کی ملکہ بنایا گیا، انہیں محرم کے بغیر سفر کرنے سے منع کیا گیا۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی پردہ کا تصور رہا ہے، بائبل میں کئی خواتین کا ذکر ملتا ہے، جو کپڑوں میں لپٹی ہوئی تھیں بلکہ بعض وہ ہیں جو پردے کی وجہ سے پہچانی نہیں گئیں، آج بھی چرچوں میں حضرت مریمؑ کا جو فرضی مجسمہ بنایا جاتا ہے، اس میں چہرے کے علاوہ پورا جسم ڈھکا ہوتا ہے، حالانکہ رومن تہذیب اور اس کے بعد یورپ میں عورتوں کے عریاں مجسمے بنانے اور جسم کے ایک ایک نشیب وفراز اور خدوخال کو نمایاں کرنے کا رواج عام ہے، گویا جو لوگ عریانیت اور بے پردگی کے مبلغ ہیں وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کا تقدس باپردہ رہنے ہی میں ہے۔

ہندو مذہب میں بھی قدیم عہد سے پردہ کی روایت رہی ہے، سیتا کا مشہور واقعہ ہے کہ جب راون نے انہیں اغوا کیا، تو شری رام کے چھوٹے بھائی لکشمن انہیں پہچان بھی نہیں سکے اور انہوں نے کہا کہ ایک ہی جگہ رہنے کے باوجود ہم نے کبھی اپنی بھاوج کی صورت نہیں دیکھی اور جب شری رام نے سیتا کے لیے ہار بھیجے، تو سیتا مختلف عورتوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھیں اس لیے لکشمن انہیں پہچاننے سے قاصر رہے۔

یہ واقعات جن کا برادران وطن کی کتابوں میں آج بھی ذکر موجود ہے، واضح کرتے ہیں کہ ہندو مذہب میں عورتوں کی عفت وعصمت، شرم وحیا اور پردہ وغیرہ کو کتنی اہمیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندو سماج میں اکثر اونچی ذات کی عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں، اب بھی ماروڑیوں، کائستوں اور پرانی وضع کے حامل برہمن خاندانوں میں عورتوں کے باپردہ رہنے کا رواج ہے، گوان کے ہاں برقعہ کا استعمال نہیں ہوتا، لیکن گھونگھٹ لینے کا رواج پایا جاتا ہے۔

پردہ نہ ترقی میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور نہ اس سے ترقی کے مواقع ختم ہوتے ہیں، اسلامی تاریخ میں بہت سی باکمال خواتین پیدا ہوئیں، جن کے حالات پر کئی کئی جلدیں لکھی گئی ہیں، اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں کو بھی علم حاصل کرنے کی اجازت دی ہے، وہ معلم ہوسکتی ہیں، وہ طبیب ہوسکتی ہیں، وہ شرعی اصولوں کے مطابق تجارت کرسکتی ہیں، وہ کارافتاء انجام دے سکتی ہیں، وہ حدود وقصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں جج بن سکتی ہیں، اگر مردوں اور عورتوں کے لیے جداگانہ ضروریات کا نظم کیا جائے، الگ الگ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہوں، الگ الگ ہاسپٹل ہوں یا عورتوں کے لیے مخصوص مارکیٹ ہوں تو خواتین کے لیے معاشی تگ ودو کے بھی اتنے مواقع پیدا ہوجائیں گے، جو انہیں اس وقت میسر نہیں ہیں اور آزادانہ ماحول میں بہتر طور پر کام کرسکیں گی، اگر ٹرین میں خواتین کے لیے مخصوص کوچ ہوسکتے ہیں، بسوں میں ان کے لیے محفوظ سیٹیں ہوسکتی ہیں، ہسپتالوں میں ان کے وارڈ الگ رکھے جاسکتے ہیں، تو زندگی کے دوسرے شعبوں میں خواتین کے لیے علاحدہ اور مستقل انتظام ہو تو اس میں کیا دوشواری یا برائی ہے؟

پس، پردہ خواتین کو مجرمانہ ذہن سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اس کا مقصد ان کی حفاظت ہے، اگر معاشرہ میں پردہ کا رواج ہو جائے اور خواتین کے لیے ایسا نظم کیا جائے کہ وہ زندگی کے مختلف میدانوں میں مردوں سے الگ رہتے ہوئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں تو یہ عورتوں کو بے پردہ کرنے، مخلوط موحول میں انہیں تناؤ کا شکار بنانے اور مردوں کی نگاہِ ہوس کو ٹھنڈی کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام دینے سے کہیں بہتر ہوگا، کاش، اہل مغرب عورتوں کے حقیقی مسائل کو سمجھ سکیں اور ان کے دکھ کا مداوا کرسکیں۔

# اپنی آبرو کی حفاظت کیجیے

سیدہ امامہ حسنیؒ

ایک مسلمان ملک کا واقعہ ہے کہ اس پر یورپین حملہ آوروں نے یورش کی، ایک گاؤں میں یہ دشمن گھس گئے، گاؤں کے سارے مرد میدان کارزار میں تھے، گھروں میں صرف پردہ والی بی بیاں اور معصوم بچے تھے یا کچھ معذور و مجبور بوڑھے آدمی رہ گئے تھے، ایک غیرت مند بی بی اپنے گھر میں کام کر رہی تھیں، سامنے ان کا بچہ سو رہا تھا، ایک شقی نے گھستے ہی اس بچہ کو قتل کر ڈالا اور پاکباز خاتون کی طرف دست درازی کی، اس خاتون نے اپنی آبرو بچانے کی کوشش کی مگر شقی القلب دشمن نے پوری کوشش کی کہ اس کی آبرو ریزی کر دے، اس نے لالچ دے کر کہا کہ میں تم کو اپنی بیوی بنا کر رکھوں گا، اس جملہ سے غیرت مند خاتون کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اسی اثناء میں وہ بدبخت سپاہی اپنے ہتھیار اتار کر پاخانے چلا گیا، وہ واپس آیا تو دیکھا کہ اس کا ہتھیار مسلمان خاتون کے ہاتھ میں ہے، وہ آگے بڑھا کہ ہتھیار چھینے اتنے میں اس خاتون کا ہاتھ اٹھا اور وہ بدبخت زمین پر گر کر خون میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور چند ہی سکنڈ میں جان دے دی۔

قابل رشک ہے اس خاتون کی جرأت و مردانگی، غیرت و حیا کہ اپنی آبرو وحفاظت کے لیے کتنی چابک دستی سے کام لیا اور دل مضبوط کر کے اس سپاہی کو اسی کے ہتھیار سے قتل کر دیا آج بھی اگر غیرت، ہمت اور اپنی آبرو کی حفاظت کا جذبہ بیدار ہو تو دنیا کی کوئی طاقت کمزور سے کمزور عورت کو بے آبرو نہیں کر سکتی۔

**طرابلس کی جنگ میں:** طرابلس جو ایک عربی شہر ہے ابھی گزرے ہوئے قریبی دور میں وہاں جنگ چھڑی تھی، ایک طرف غیر ملکی دشمن تھے، دوسری طرف اپنے اور اسلام کے جاں نثار، جو جان پر کھیل کر جنگ کر رہے تھے، ایک مسلمان لڑکی فاطمہ، جس کی عمر ۹-۱۰ سال سے زیادہ نہ ہوگی، اپنے زخمی بھائیوں اور بزرگوں کی مرہم پٹی کرتی پھر رہی تھی، ان کو آرام پہنچانا، پانی پلانا اس کا کام تھا، وہ بہت پھرتیلے انداز سے چھوٹی سی مشک لے کر اِدھر سے اُدھر چلتی پھرتی زخمیوں کو پانی پلاتی تھی۔ لوگ اس کو اس کے بچپن کی وجہ سے سمجھاتے کہ تو اتنے گھمسان کے رن میں کیوں اپنی جان کھوتی ہے، مگر وہ مسلمان بچی ہمدردی اور جوش جہاد میں مست تھی کہ کسی کی بات نہ سنتی، واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند مسلمان دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے، وہ تیزی سے بڑھی کہ ان کی مدد کرے کہ ایک مضبوط دشمن سپاہی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا وہ بپھر گئی، پاس ہی ایک زخمی کی تلوار پڑی تھی، اس نے فوراً اٹھایا اور اس زور سے سپاہی کے مارا کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ گیا مگر اس نے اپنا نیزہ اس معصوم بچی کے مار دیا، جس سے وہ زخمی ہو گئی مگر جذبۂ ہمدردی اتنا غالب تھا کہ اس زخمی حالت میں وہ مشک لے کر آگے بڑھی تاکہ زخمیوں کو پانی پلائے مگر چند قدم بڑھ کر وہ چکرا کر گر گئی اور زخموں کی تاب نہ لا سکی اور وہیں جام شہادت نوش کر لیا۔

ذرا اس ہونہار مسلمان بچی کو دیکھئے اور آج کی مسلمان بچیوں پر نظر ڈالیے کوئی ان دونوں میں مناسبت ملے گی، ایک وہ بچی تھی جو جذبۂ قربانی، ہمدردی، بہادری میں ڈابی ہوئی تھی، اور ایسے نازک وقت میں بھی جب کہ بہادر سے بہادر آدمی پست ہو جاتا ہے، یہ اپنی خدمت نہیں بھولتی اور گرتی پڑتی کا ہے اور اسی راہ میں جان دے دیتی ہے، ایک آج کی مسلمان بچیاں ہیں، جن کو اپنی روشن تاریخ اور تابناک ماضی کے ان واقعات کا علم نہیں، اصل میں یہ فریضہ ماں باپ کا ہے کہ وہ اپنے بچوں اور بچیوں کو ان واقعات سے روشناس کریں اور ان میں اسی طرح کے جذبات بیدار کریں۔

# ایمان وعقیدہ

## ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ

مولانا شمس الحق ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ایک تقریر میں فرمایا تھا: ''موجودہ ہندستان میں ظاہری اسباب اس بات کی غمازی کررہے ہیں کہ آئندہ ۱۰۰ برس بعد یہاں کی دنیا کچھ اور ہی ہوگی، ہمارے بچے اسلام سے بے گانہ ہو چکے ہونگے، اللہ کا قانونِ قدرت ہے کہ جس چیز کے دانے ڈالے جائیں گے، اسی کی کھیتی ہوگی، اس وقت ہمارے بچوں کے ذہن میں جس چیز کے دانے ڈالے جارہے ہیں، وہ ہندو، برہمیت اور دیومالائی تہذیب ہے جو دل اور ذہن ودماغ کی زمین میں ڈالے جارہے ہیں۔

ہماری نئی نسل کو دین اسلام سے بے گانہ رکھنے اور خالص بت پرستی کے راستے پر لے جانے کے جو منصوبے بنائے گئے ہیں، اور ہمارے ملک کے اسکولوں اور کالجوں کا جو نصاب تعلیم تیار اور جاری کیا گیا ہے، اور اس کے جو اثرات ہماری نوجوان نسل پر پڑ رہے ہیں، اس سلسلے میں دینی تعلیمی کونسل برابر آگاہ کرتی رہی ہے اور مضامین بھی خصوصاً ندائے ملت اور تعمیر حیات شائع کرتے رہے ہیں جن سے نئی نسل کے دین سے بے گانہ ہونے اور بے گانہ بنانے کی ایک ہلکی سی تصویر سامنے آجاتی ہے جبکہ معاملہ اس تصویر سے کہیں زیادہ سنگین وتباہ کن ہے رہی سہی کسر اب دینی اور عربی مدارس میں پابندی لگا کر پوری کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا ہے، یہ حالات وہ ہیں جن کو ایمرجنسی اور ہنگامی حالات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور یہ سب جانتے ہین کہ ہنگامی حالات میں انسان سب کچھ چھوڑ کر ان حالات سے بچاؤ اور دفاع کی کوشش میں لگ جاتا ہے، اپنا عیش وآرام اور کھانا پینا سب بھول جاتا ہے، اس وقت ہم جن نازک حالات سے دوچار ہیں ہمیں اپنے علماء اور قائدین کی رہنمائی میں ہم سے جس قربانی کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لیے تیار ہونا چاہئے، بقول ایک مؤرخ ودردمند قوم کے اس وقت کے حالات فتنۂ اکبری سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، اب ملت اسلامیہ ہندیہ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ اپنی جدید نسل کو کفر والحاد کے حوالہ کردے گی یا اس فتنہ سے بچانے کے لیے وہ ہر وہ قربانی دینے کے لیے تیار ہوجائے گی جس کا ہمارے علماء ہم سے مطالبہ کریں گے اس وقت کی ایک سب سے بڑی آزمائش مدارس عربیہ پر لیبرا ایکٹ کا نفاذ، اور مدارس ومکاتب کو سرکاری امداد کی پیش کش، اور ان میں تبدیلی لانے کی خطرناک مشورے ہیں۔

سرکاری امداد قبول کرلینے کا انجام پورے صوبہ بہار میں ظاہر ہوچکا ہے، وہاں کے دینی مدارس کا سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے، مدارس کی روح نکل چکی ہے، اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کو شوق رکھنے والے والدین پریشان ہیں کہ ان کو تعلیم کے لیے کس کے حوالہ کریں، چنانچہ اب وہاں کے بچے ابتدائی اور مکتب تک کی تعلیم کے لیے یوپی اور دوسرے صوبوں کا رخ کررہے ہیں، یہ تو مدارس کا حال ہوا ہے، اور خود امداد لینے والوں کا حال یہ ہے کہ ان کو کئی کئی مہینے کا تنخواہیں نہیں ملتی ہیں، ان کا سارا وقت آج کے مروجہ احتجاج ودھرنا دینے میں صرف ہورہا ہے، وہ اس وقت (خسر الدنیا والآخرۃ) کی جیتی جاگتی تصویر بنے ہوئے ہیں دین ودنیا دونوں سے گئے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

بہار کی صورت حال بزبان حال کہہ رہی ہے، ع

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

لہٰذا! ہمارے وہ مدارس ومکاتب جو اس وقت سرکاری امداد سے محفوظ ہیں، وہ سرکاری امداد نہ قبول کریں.....

(باقی صفحہ نمبر ۲۷ پر)

# لبیک اللّٰھم لبیک

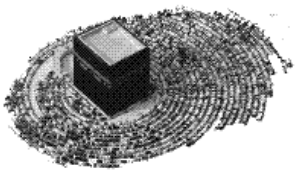

مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی

روزآنہ پنج وقتہ نمازیں، سال میں مہینہ بھر کے روزے، سال گزرنے پر مال کے چالیسویں حصہ کی زکوٰۃ، استطاعت رکھنے پر حج کی سعادت، یہ ہیں وہ چار ستون جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے، کلمہ شہادت کا ذکر نہیں، وہ تو ان بنیادوں کی بھی بنیاد ہے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، (۱) دل سے اس بات کا اقرار کرنا اور زبان سے اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، (۲) پانچ وقت کی نماز پڑھنا، (۳) زکوۃ دینا، (۴) مستطیع کے لیے حج کرنا، اور (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔

حج اسلام کا وہ رکن ہے، جس نے اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی متاثر کیا ہے، اس کے ظاہری منافع، اجتماعی مصالح اور روح پرور مناظر پر اسلامی دنیا ہی نہیں ٗ غیر اسلامی دنیا نے سیکڑوں نہیں ٗ ہزاروں بار رشک کیا، اور کیوں نہ کرے، تہوار وہ بھی مناتے ہیں، یاترائیں ان کی بھی نکلتی ہیں، نمائشیں ان کے یہاں بھی لگتی ہیں، میلوں ٹھیلوں کا سلسلہ ان کے یہاں بھی چلتا ہے، بھیڑ ان کے یہاں بھی نظر آتی ہے، پوجا پاٹ ان کے یہاں بھی ہوتی ہے، مذہبی مقامات میں حاضری ان کے یہاں بھی دی جاتی ہے، لیکن کیا کہیں کوئی جوڑ نظر آتا ہے ان میں سے کسی چیز کا حج کے ایام سے، ارکان حج کی ادائیگی سے، منی کے قیام سے، عرفات کی حاضری اور گریہ وزاری سے، مزدلفہ کی رات سے، دس بیس نہیں چالیس چالیس لاکھ افراد کی ایک ساتھ منتقلی سے، کعبہ کے سائے میں پڑھی جانے والی نماز سے، حجر اسود کو بوسہ دینے کی بے قراری سے، روضہ اقدس پر پڑھے جانے والے درود وسلام سے اور گنبد خضراء کو دیکھ کر دل پر پڑنے والے اثرات سے!

حاجی کے دل کی کیفیات کو چھوڑیئے، اس کے احساسات وجذبات کو بھی جانے دیجیے، وہ تو سوائے خدا کے کوئی جان نہیں سکتا، حاجی اسی خدا کا تو مہمان ہے، ہاں آپ اس کے ظاہر پر ضرور نظر ڈال سکتے ہیں اور اس سے اس کی باطنی کیفیات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

آپ نظر ڈالئے احرام کی سفید اجلی چادر پر، چادر کے اندر چھپے حاجی کے پاک وصاف جسم پر، اس کے لرزتے ہونٹوں سے نکلتے تلبیہ کے الفاظ پر، دعا کے لیے اٹھے اس کے کپکپاتے ہاتھ پر، دعا کے موقع پر قائم خدا اور اس کے بندے کے درمیان رشتہ پر، آہ وبکا کے ساتھ مانگی جانے والی دعا پر جو صرف اپنے لئے نہیں اپنے بیٹوں کے لیے نہیں، اپنے رشتہ داروں کے لیے نہیں اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانی دنیا کے لیے، جو دنیا سے جا چکے ان کے لیے بھی اور جن کو آنا ہے ان کے لیے بھی، کیا اس کی مثال کسی مذہب میں، کسی مذہبی موقع پر، کسی مذہبی جگہ پر ملتی ہے؟

یقیناً حاجی مہمان ہے خداوند قدوس کا، آیئے اب دیکھیں اس مہمانی کے آداب کیا ہیں؟

۱- خدا کے اس مہمان کو پہلا جو حکم خدا کی طرف سے ملتا ہے وہ شہوانی تذکروں کی ممانعت کا ہے، اشارۃً وکنایۃً بھی حج کے موقع پر جائز شہوانی خیالات بھی زبان پر نہ لائے جائیں، یہ حکم قرآن کریم میں صراحت کیساتھ دیا گیا ہے۔

۲- دوسرا حکم رب کریم کی جانب سے چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے بچنے کا ہے، روزہ کی طرح احرام کی حالت میں متعدد جائز کام ناجائز ہوجاتے ہیں، جیسے شکار کرنا، جوئیں مارنا، پتی توڑنا، تو پھر چھوٹی یا بڑی معصیت کی گنجائش حج کے موقع پر

کہاں سے نکل سکتی ہے، وہ تو عام دنوں میں بھی حرام تھی، حج کے ایام میں تو اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے۔

۳- تیسرا حکم خدا کے گھر کے مہمان کو بحث ومباحثہ سے اجتناب کا ہے، مار پیٹ ہاتھا پائی تو الگ رہی، زبانی بحث وتکرار جس کا امکان بھیڑ کے اس موقع پر بہت بڑھ جاتا ہے حج کے ایام میں خاص طور پر اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۴- چوتھا حکم جو حاجی کو اس موقع پر پروردگار عالم کی جانب سے ملتا ہے وہ خدا سے ڈرتے رہنے کا ہے، کیوں کہ یہی وہ ڈر ہے جو اس کو شہوانی تذکروں سے بچائے گا، گناہوں سے محفوظ رکھے گا اور بحث ومباحثہ اور لغو باتوں سے اس کو دور رکھے گا۔

۵- پانچواں حکم جو حج کی آیات کے ضمن میں بار بار حاجی کو دیا گیا ہے وہ ہے خدا کو یاد کرنے، اس کی نعمتوں کا تذکرہ کرنے اور اس کے احسانات کا ذکر کرنے کا، جس خدا نے آپ کو حج کی توفیق دی، وسائل مہیا کیے، سفر کو آسان کیا، رکاوٹوں کو دور کیا، گناہوں میں لت پت جسم کو اپنے پاک گھر میں حاضری کی اجازت دی، سرکشیوں، بغاوتوں اور نافرمانیوں کے باوجود اپنا مہمان بنا کر عزت بخشی، اس خدا کا خیال ہر لمحہ دل میں رہے، اس کا ذکر ہر وقت زبان پر رہے، نہ اس کے علاوہ کسی کی یاد آئے، نہ اس کے سوا زبان پر کسی کا ذکر آئے، نہ اس کے علاوہ دل میں کسی کا خیال آئے۔

آخری بات مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی زبانی: ”حج کے موقع پر دنیا کے گوشہ گوشہ کی آبادیاں کھنچ کر آجاتی ہیں، ہر قسم، ہر عمر، ہر قماش ہر مزاج کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی جوان بھی، بچے بھی بڑے بھی، تیز مزاج بھی اور غصہ ور بھی، آوارہ مزاج بھی حریص ومطامع بھی، حسین اور نوجوان عورتیں بھی، پھر تکلیف او رصعوبتیں بھی راہ اور سواری کے سلسلہ میں طرح طرح کی پیش آتی ہیں، پھر زبانوں کا اختلاف، وہ ان کی نہیں سمجھتے یہ ان کی نہیں سمجھتے، بڑے بڑے حلیم او ربردبار بھی اس موقع پر دامن صبر وضبط چھوڑ دیتے ہیں، رشک ومنافقت، بدنظری وبدکاری، نزاع وجدال کے موقع قدم قدم پر رکھے ہوتے ہیں“۔

تو اگر کوئی چیز آپ کے سفر کو کامیاب اور آپ کے حج کو عند اللہ مقبول بنا سکتی ہے تو وہ یہی خدا کا ڈر ہے، اس کی یاد اور اس کا ذکر ہے، شہوانی خیالات اور باتوں سے بچنا، معاصی سے دور رہنا اور بحث ومباحثہ اور زبانی جھگڑوں سے اجتناب کرنا ہے، جسم اور احرام کی پاکی کے ساتھ ساتھ ہم کو زبان بھی پاک رکھنی ہے، نگاہ بھی پاک رکھنی ہے، دل بھی پاک رکھنا ہے، خیالات بھی پاک رکھنے ہیں، تب ہی ہم حج سے اس طرح گناہوں سے پاک وصاف ہوکر لوٹیں گے جس طرح ماں کے پیٹ سے گناہ کی آلائش سے پاک بچہ پیدا ہوتا ہے۔

خدا حج کے اس سفر کو آسان بنائے، حج کو مقبول فرمائے، عافیت وسلامتی کے ساتھ گھر واپس لائے اور زندگی بھر اس حج کی برکتوں سے ہم کو نوازتا رہے۔

## سد ایمانی کی ضرورت

”اخلاقی پستی کے اس طوفان بلاخیز کے لیے جو پورے ملک اور معاشرہ کو اپنے لپیٹ میں لے رہا ہے، کسی ڈیم کا خیال ہمارے دماغ میں نہیں آتا، نیل وفرات، راوی وجہلم اور گنگا وجمنا کے محدود سیلابوں کے نقصانات اور تباہ کاریاں تسلیم۔ لیکن بداخلاقی، کرپشن، بے حیائی وبدمستی اور دولت کی پوجا کا جو سیلاب آج ہر سوسائٹی میں (مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کے بغیر) گلے گلے بہہ رہا ہے، یہ اینٹ پتھر یا سیسہ اور فولاد کی کوئی سد سکندری نہیں، خدا کے خوف، دوسری زندگی کے یقین، حیا وغیرت، سچی انسانیت دوستی، ضمیر کا محاسبہ اور سچائی وحق پرستی کی وہ سد ایمانی ہے، ان ڈیموں اور پشتوں سے کہیں زیادہ اہم ہے جو پانی کے بچاؤ یا پانی کی حفاظت یا آبپاشی اور بجلی کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، اور ان پر کروڑوں اور اربوں روپیہ، دل ودماغ کا سب سے قیمتی سرمایہ اور انسانی کاوش کا بہترین نچوڑ آسانی سے صرف کردیا جاتا ہے۔“ (مولانا محمد الحسنیؒ)

# عید الاضحی کے فضائل

## اور قربانی کے احکام ومسائل

مفتی راشد حسین ندوی

دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب کا سال میں کوئی نہ کوئی تہوار ضرور ہوتا ہے، فطرت انسانی اس کا تقاضہ بھی کرتی ہے کہ سال میں خوشیوں کے اظہار کا بھی کوئی دن ہونا چاہیے، چنانچہ دین فطرت اسلام میں بھی اس انسانی فطرت کی رعایت رکھی گئی، اور سال میں دو دن خوشیاں منانے کے بھی مقرر کیے گئے، ابوداؤد میں حضرت انس ابن مالکؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو دیکھا کہ انہوں نے سال میں خوشیاں منانے کے دو دن مقرر کر رکھے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کیسے دو دن ہیں؟'' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: زمانہ جاہلیت میں ہم ان دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے ان دونوں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تم کو عنایت فرمائے ہیں، عید الاضحیٰ اور عید الفطر''۔

ان میں سے عید الفطر رمضان المبارک کے بعد منائی جاتی ہے، جب اللہ کے حکم سے اللہ کے بندے پورے ایک مہینہ تک خاص اوقات میں کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے پرہیز کرتے ہیں، دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ ذی الحجہ کی ۱۰ ر تاریخ کو منائی جاتی ہے، یہی حج کا زمانہ بھی ہوتا ہے، حج اور قربانی کے تقریباً تمام مناسک اور افعال حضرت ابراہیم، حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیٰ نبینا و علیہم السلام کے مختلف قربانیوں اور افعال کی یادگار میں منائے جاتے ہیں، لیکن قدر مشترک دونوں عیدوں میں یہ ہے کہ اس میں دوسری قوموں کی تہواروں کی طرح کوئی شور وغل بالکل نہیں ہے، دونوں میں جو افعال بتائے گئے ہیں ان میں اسلام کی سادگی کی جھلک ملتی ہے، ان خوشی کے موقعوں پر بھی بندے اللہ کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے بستی کے باہر عیدگاہ یا کسی مسجد جاتے ہیں، اور اللہ کے سامنے دوگانہ ادا کرکے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں، گویا عیدین مسلمانوں کی خوشی منانے کا نمونہ ہیں، مسلمانوں سے مطالبہ یہی ہے کہ خوشی کے موقع پر بھی اللہ کے سامنے سر جھکا دیں، اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر نماز عید کے علاوہ ذی الحجہ کے شروع کے دس دن کی اہمیت اور فضیلت بھی الگ سے بیان کی گئی ہے، چنانچہ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان دس دنوں سے بہتر دوسرے کوئی بھی دن ایسے نہیں ہیں جن میں اللہ کو عمل صالح زیادہ محبوب ہو۔ صحابہ نے پوچھا: اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا ہو اور اس میں سے کوئی چیز بھی واپس نہ لایا ہو''۔

اور ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں ہے، ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر، اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے''۔

قرآن مجید میں اللہ نے سورہ فجر میں دس راتوں کی قسم کھائی ہے، مفسرین فرماتے ہیں، ان دس راتوں سے عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہی مراد ہیں، ان میں خاص طور سے ذی الحجہ کی ۹ ر تاریخ کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، مسلم شریف میں حضرت ابو قتادہؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ: ''عرفہ کا روزہ رکھنے پر میرا اللہ پر گمان یہ ہے کہ اسے گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا''۔ لیکن عرفہ کے روزہ کی یہ فضیلت غیر حاجیوں کے لیے ہے، حاجیوں کو اس روزہ سے منع کر دیا گیا

ہے تاکہ میدان عرفات کے افعال اچھی طرح انجام دے سکیں، چنانچہ ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مقام عرفات میں عرفہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے''۔

**قربانی:** ذی الحجہ کے مہینہ میں سب سے اہم عبادت قربانی ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ابن آدم یوم النحر کو جو عمل کرتا ہے ان میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب خون بہانا (قربانی کرنا) ہے، وہ جانور قیامت کے دن اپنی سینگوں، بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ کے یہاں مقبولیت حاصل کر لیتا ہے، لہٰذا اس کو خوش دلی سے کیا کرو'' (ترمذی، ابن ماجہ)۔ صاحب نصاب پر قربانی کرنا احناف کے نزدیک واجب ہے، اس لیے کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ: ''جس کے پاس وسعت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے پاس نہ آئے''۔

**قربانی کا نصاب:** قربانی ہر مسلمان عاقل بالغ مقیم پر واجب ہوتی ہے بشرطیکہ وہ ساڑھے باون تولہ چاندی (۶۱۲ گرام) یا اس کی قیمت کا مالک ہو، اور یہ اس کی حاجات اصلیہ سے زائد ہو، یہ مال خواہ سونا چاندی یا اس کے زیورات ہوں، یا مال تجارت کی شکل میں ہو، یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ ہو، قربانی اور زکوٰۃ کے نصاب میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ میں سال گزرنے کی شرط ہوتی ہے، لیکن قربانی میں سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، اس زمانہ میں نصاب کا مالک ہے تو قربانی واجب ہوگی۔

**قربانی کے دن:** قربانی کے دن تین ہیں، ۱۰، ۱۱ اور ۱۲ ذی الحجہ، ان میں سے افضل پہلے دن قربانی کرنا ہے، البتہ جہاں عید کی نماز جائز ہوتی ہے وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت جندب ابن عبد اللہؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے یوم النحر کو نماز پڑھائی، پھر خطبہ دیا، پھر قربانی کی اور ارشاد فرمایا: جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی تھی وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے قربانی نہیں کی تھی وہ اللہ کا نام لے کر قربانی کرے''۔

**قربانی کے جانور:** قربانی صرف اونٹ، گائے، بھینس، بکری، دنبہ، بھیڑ (نر مادہ دونوں) کی جائز ہے، بقیہ جانوروں کی جائز نہیں ہے، اس میں بھی حدیث شریف میں یہ شرط لگائی گئی کی مسنہ ہو اور عیوب سے خالی ہو، چنانچہ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''صرف مسنہ کی قربانی کیا کرو إلّا یہ کہ تم پر تنگی ہو تو بھیڑ دنبہ کا چھ ماہ اور اس سے زیادہ کا جانور ذبح کر لو''۔

ان جانوروں میں سے ہر ایک کا مسنہ یا مثنی الگ الگ ہوتا ہے، چنانچہ اونٹ کا مسنہ وہ ہے جو پانچ سال مکمل کر چکا ہو، گائے اور بھینس کا مسنہ وہ ہے جو دو سال مکمل کر چکا ہو، اور بکری، بھیڑ اور دنبہ کا مسنہ وہ ہے جو ایک سال مکمل کر چکا ہو، لیکن جیسا کہ حدیث میں گزرا، دنبہ اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا ہو تو اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔

بھیڑ، بکری کی قربانی صرف ایک شخص کی طرف سے ہو سکتی ہے جب کہ اونٹ اور گائے وغیرہ میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب کی نیت قربت کی ہو، حضرت جابرؓ کی روایت مسلم وغیرہ میں آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گائے (بھینس) سات کی طرف سے اور اونٹ سات کی طرف سے (جائز) ہے''۔

**عیوب کی تفصیل:** آنحضرت ﷺ عیوب سے پاک اور عمدہ جانوروں کی قربانی فرمایا کرتے تھے، اور امت کو بھی عیوب سے پاک جانور کی قربانی کی تاکید فرمایا کرتے تھے، حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ جانور کی آنکھ کان کا جائزہ لے لیں اور کان پھٹے، کٹے اور کان میں سوراخ والے جانور کی قربانی نہ کیا کریں'' (ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔ اور ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ ہی میں حضرت براء بن

عازبؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا: کن جانوروں کی قربانی سے بچا جائے؟ آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا: چار سے! وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، وہ یک چشم جس کی یک چشمی ظاہر ہو، ایسا بیمار جانور جس کی بیماری ظاہر ہو، اور وہ لاغر جس (کی ہڈیوں) میں گودا ہی نہ ہو"۔

ان جیسی احادیث سے فقہاء نے عیوب کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیلات بیان کی ہیں:

(۱) اندھے، کانے اور لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں ہے، اسی طرح اس بیمار اور لاغر جانور کی قربانی بھی درست نہیں ہے جو اپنے پیروں پر قربانی کی جگہ تک نہ جا سکے۔

(۲) جس جانور کا کان یا دم تہائی سے زیادہ کٹی ہو اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔

(۳) جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے، یہی حکم اس جانور کا بھی ہے جس کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں۔

(۴) جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، یا بیچ سے ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز ہے، البتہ اگر سینگ جڑ سے اکھڑ گئی ہو تو چونکہ دماغ تک اثر پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس کی قربانی صحیح نہیں ہوگی۔

(۵) خصی (بدھیا) کی قربانی نہ صرف جائز بلکہ افضل اور سنت ہے، آنحضرت ﷺ سے خصی کی قربانی کرنا ثابت ہے۔

**قربانی کا طریقہ:** اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے، لیکن اگر قربانی کرنا نہیں جانتا یا کسی اور وجہ سے خود سے نہیں کرنا چاہتا تو کم سے کم ذبح کے وقت حاضر رہنے کی فضیلت ضرور حاصل کرے، بہت سے لوگ اس جگہ موجود بھی نہیں رہنا چاہتے، یہ رجحان صحیح نہیں ہے۔

قربانی کے وقت جو دعائیں منقول ہیں ان کا پڑھنا افضل ہے، ضروری نہیں ہے، صرف ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، قربانی کرتے وقت بلکہ کبھی بھی کسی جانور کو ذبح کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہیے:

(۱) ذبح کرنے سے پہلے جانور کو چارہ کھلا دیا جائے، بھوکا پیاسا رکھنا مکروہ ہے۔

(۲) ذبح کی جگہ سہولت سے لے جائے، گھسیٹ کر لے جانا مکروہ ہے۔

(۴) قبلہ رخ بائیں کروٹ لٹائے، اس سے جان آسانی سے نکلتی ہے۔

(۵) چھری تیز رکھے، کند چھری سے ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۶) چھری جانور کو لٹانے سے پہلے تیز کر لے اور اس سے چھپا کر تیز کرے۔

(۷) ایک جانور کے سامنے دوسرے جانور کو ذبح نہ کرے۔

(۸) ذبح کے بعد جانور سرد ہونے سے پہلے نہ سر الگ کرے نہ کھال نکالے۔

(۹) سنت یہ ہے کہ جب جانور ذبح کرنے کے لیے قبلہ رو لٹائے تو یہ دعا پڑھے: "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ"

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: "اللّٰهم تقبله مني كما تقبلت من حبيبك محمد و خليلك ابراهيم عليهما السلام"

**قربانی کا گوشت:** افضل یہ ہے کہ قربانی کے گوشت کے تین حصہ کر لیں، ایک حصہ عزیز و اقارب کے لیے، ایک فقراء کے لیے اور ایک اپنے لیے، لیکن یہ صرف افضل ہے، وہ پورا گوشت بھی استعمال کر سکتا ہے اور پورا ہدیہ اور صدقہ میں بھی دے سکتا ہے، قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دیا جا سکتا ہے، گھال کو اپنے استعمال میں لے یا کسی غریب کو دے دے لیکن قربانی کا گوشت یا کھال فروخت کی تو اس کا غریبوں پر صدقہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

# علم اور اس کی بنیاد

## قرآن وحدیث کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

کسی جسم کو ظاہری طور پر وجود بخشنے اور اس میں زندگی کی لہر دوڑانے کا نام تخلیق ہے، کسی نامعلوم چیز کو واقف کرانے اور ذہن نشین کرانے کا نام تعلیم ہے، جس طرح تخلیق افراد کی زندگی ہے، بالکل اسی طرح تعلیم قوموں کی زندگی ہے، سب سے پہلی وحی مین اللہ رب العزت نے اپنی صفت تخلیق کا جہاں ذکر فرمایا ہے، اسی کے شانہ بشانہ اپنی صفت تعلیم کو بھی بیان فرمایا ہے، گویا اس کا اعلان کیا گیا ہے کہ جس طرح تخلیق کے بغیر جسمانی وجود کا تصور نہیں اسی طرح تعلیم کے بغیر انسان کی معنوی شخصیت کا وجود ممکن نہیں ہے، اور وہی انسان درحقیقت مکمل انسان ہے جو ظاہری زندگی کے ساتھ ساتھ حقیقی زندگی سے بھی آراستہ ہو، اسی حقیقی زندگی کو علم کہا جاتا ہے، جس کی نہ کوئی انتہاء ہے نہ کوئی حد، اسی لیے معلم حقیقی نے اس کائنات کے سب سے بڑے عالم یعنی رسول اللہ ﷺ کو علم میں مسلسل اضافہ کی دعا کرنے کا حکم فرمایا: ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۱٤) (کہیے، پروردگار میرے علم میں اور اضافہ فرما)، علم کو اپنا فضل عظیم قرار دیا، ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً﴾ (النساء:۱۱۳) (آپ کو اللہ نے وہ سب سکھلایا جو آپ نہیں جانتے تھے، واقعی اللہ کا آپ پر عظیم الشان فضل ہے)۔

**علم کی بنیاد:** علم اللہ کے طرف سے ملنے والی انمول متاع حیات ہے جس کو حاصل کرنے کی سچی کوشش کرنے پر اللہ کی طرف سے لطف وکرم کے دریا بہائے جاتے ہیں، ﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ﴾ (العلق:۳) (آپ پڑھتے جایئے آپ کا رب بے حد کریم ہے)

اللہ کے لیے الاکرم کا وصف پورے قرآن میں صرف اسی ایک جگہ استعمال ہوا ہے اور اقرأ کے حکم کے ساتھ اسے جوڑ دیا گیا ہے، گویا حصول علم کی ہر کوشش پر اس کا وعدہ ہے کہ اللہ کی طرف سے کرم کی بارش ہوگی، اور انسان کو لامحدود رفعتوں سے ہمکنار کرایا جائے گا، اس بات کو ذہن نشین کرانے کے بعد اللہ نے اس کا بھی اعلان فرمادیا کہ علم کی اصل کنجی کیا ہے اور علم انسانی کا محور کس ذات کو ہونا چاہیے، اس سکہ کو حل کیے بغیر علم کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آسکتا، اور انسان علم کے نام پر کئی کئی وادیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرے گا اور منزل پھر بھی نہیں ملے گی۔

قرآن کریم کے لحاظ سے علم کی بنیاد اور اس کا محور اللہ رب العزت کی ذات اور اس کی وحدانیت ہے، اس کے بغیر نہ علمی سفر شروع ہوسکتا ہے اور نہ منزل کی یافت ممکن ہے، اس کا اعلان یہ ہے: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (محمد:۱۹) (اس علم کو دل میں بٹھالو کہ اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں)، یہ علم کی ابتداء، علم کی انتہاء، نشان منزل، راہِ منزل بلکہ اصل منزل ہے، اس سے ہٹ کر جو بھی منزل متعین کی جائے گی، قرآن کا اعلان ہے کہ وہ پیٹ بھرنے اور خواہش نفس کو پورا کرنے سے آگے نہیں بڑھ پائے گی۔

﴿فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ☆ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ﴾ (النجم:۲۹) (آپ ان پر توجہ نہ دیں جو ہماری یاد سے منہ پھیرتے ہیں اور بس دنیاوی زندگی کی چاہت میں لگے ہیں، یہی ان کے علم کی رسائی ہے)

بے مقصد علم حقیقت میں علمی آوارگی ہے جو کچھ بھی معلوم نہ ہونے کی طرح ہے، قرآن نے اسے نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے۔ ﴿وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ☆ يَعْلَمُونَ ظَاهِراً مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الروم:٦-٧) (لیکن اکثر لوگ جانتے

نہیں ہیں، بس دنیاوی زندگی کے ظاہری پہلو کو کچھ جانتے ہیں)

**اسلام اور مادیت کا تضاد:** اسلام اور مادیت کا کھلا ہوا تضاد علم کے میدان میں بھی نمایاں طور پر نظر آتا ہے، اسلام زندگی کے ہر شعبہ کو اللہ سے وابستہ کر کے ایک واضح بنیاد فراہم کرتا ہے، جس کے بعد رخ متعین ہوتا ہے، منزل واضح ہوتی ہے، اور طریق عمل معلوم ہوتا ہے، وہیں مادیت زندگی کے ہر شعبہ میں ٹھوکریں کھاتی نظر آتی ہے، نہ رخ متعین، نہ منزل واضح، نہ طریق عمل معلوم، بس ایک نامعلوم سمت کی طرف دوڑ ہے، جس کا انجام کیا ہوگا کسی کو پتہ نہیں، علم کے میدان میں بھی ایسے لوگ ٹھوکریں کھا رہے ہیں، ترقی تو محنت کی بنیاد پر ہو رہی ہے، لیکن ترقی کس لیے ہے اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے، فطرت انسانی یہ ہے کہ جہاں اعلیٰ مقاصد مفقود ہوتے ہیں وہاں انسان اپنے آس پاس کے گھٹیا مقاصد کو بنیاد بناتا ہے، اس لحاظ سے انسان کے پاس سوائے پیٹ بھرنے اور شہوت پرستی کے ہے ہی کیا جسے وہ اپنا مقصد قرار دے، بس علم کا رخ بھی اسی کی طرف موڑ دیا گیا اور اسے پامال کیا گیا، اللہ سے جدا ہونے کے بعد انسان قومیت، وطنیت، رنگ، جنس اور نسل کے خانوں میں بٹ گیا، لہٰذا اجتماعی طور پر علم کو اپنی بالادستی اور دوسروں کی پامالی کے ساتھ جوڑ دیا گیا، اپنے اندر کی وحشت و بربریت کو تسکین پہنچانے کے لیے اسے وطنی، قومی یا نسلی برتری کا لبادہ پہنایا گیا، اور علم کو اس کا خادم بنا کر علم کا مقصد متعین کیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ علمی ترقی اجتماعی طور پر دنیا کو تباہی کے غار میں پہنچانے کا ذریعہ بنی، اللہ کے نام سے علم کو نہ جوڑنے کا جو منطقی نتیجہ برآمد ہو سکتا تھا وہی برآمد ہو رہا ہے، ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ (العلق: ۱) سے قرآن کریم نے یہ عالمگیر پیغام دنیا کو پہلے دن ہی سنا دیا تھا کہ اگر معلم حقیقی سے علم کو جوڑا نہ گیا تو پھر یہی چیز غلط ہاتھوں میں پہنچ کر انسانیت کی تذلیل کا باعث بنے گی، فی الوقت دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔

**مقصد علم:** قرآن کریم کے نزدیک علم کا مقصد خشیت الٰہی میں مزید اضافہ کرنا ہے چاہے علم کتاب و سنت کا ہو یا پھر پوری کائنات میں بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کا، اللہ کی عظمت کا احساس دل میں کروٹیں لے رہا ہو تو ایسا ہر علم مبارک اور حقیقی علم، اگر اس کے ذریعہ خشیت میں اضافہ نہ ہو رہا ہو تو وہ علم ایک لحاظ سے لاعلمی بلکہ بسا اوقات جہل سے بھی بدتر ہے، عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں جہاں اس کا اعلان ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے وہی بندے ہیں جو اس کی ذات و صفات کا علم رکھتے ہیں، وہاں قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، تاکہ اللہ کی عظمت کا احساس زیادہ سے زیادہ دل میں گھر کر جائے، اور علم کی حقیقت ہی یہ قرار دی گئی کہ وہ اللہ کی خشیت کا ذریعہ ہے، گویا اصل مقصود اللہ تک رسائی ہے چاہے وہ ظاہری طور پر علم دین کے زمرے میں نہ آتا ہو، دوسری طرف خالص علم دین کو بھی اگر کوئی اللہ کی خشیت کا ذریعہ نہ بنائے تو ایسا شخص باوجود علم کے اجہل الناس ہے، جسے ایک جگہ کتے سے اور دوسری جگہ گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہود تورییت کی امانت کو نہ اٹھا سکے اس لیے وہ علم کے باوجود گدھے قرار دیے گئے جو کتابوں کا انبار ڈھوتا ہے: ﴿مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا﴾ (الجمعة: ۵) (جن کو تورییت کی ذمہ داری دی گئی تھی پھر بھی وہ اسے اٹھا نہ سکے ایسے لوگ گدھے کی طرح ہیں جو کتابوں کا بوجھ ڈھوتا ہے)۔

دوسری طرف ایسے شخص کو کتے کی طرح بتایا گیا ہے جو علم رکھنے کے باوجود خواہشات کا غلام بن کر انتہائی پست ترین سطح پر اتر آتا ہے، قرآن کریم میں ایسی سخت تشبیہ کسی اور کی نہیں دی گئی ہے، اس لیے کہ علم کو ضائع کرنا اپنی اصل قیمت کھو دینا اور ذلیل ترین جانور کی سطح پر اترانا ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا..... فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ (الاعراف: ۱۷۵-۱۷۶) (اور آپ ان کو اس شخص کا قصہ سنا دیجیے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دیں تو وہ ان سے نکل بھاگا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان (نشانیوں) سے اس کو بلندی عطا کرتے لیکن وہ زمین کا ہو کر رہ گیا اور اپنی خواہش پر چلا تو اس کی مثال کتے کی طرح ہے اگر تم اس پر حملہ کرو تو ہانپے یا اس کو چھوڑ دو تو ہانپے، یہ

ان لوگوں کی مثال ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، تو یہ سرگذشت ان کو سنا دیجیے شاید وہ سوچیں)

بلکہ مقصد علم سے محروم رہنے والے کو قرآن اہل علم کی فہرست سے خارج کرتا ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹) (کہیے، کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں)، یہ آیت اہل علم کی فضیلت کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور صحیح پیش کی جاتی ہے، لیکن آیت کا ابتدائی حصہ یہ واضح کرتا ہے کہ اہل علم کی فہرست میں کون لوگ آتے ہیں، پوری آیت یوں ہے: ﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹) (بھلا وہ جو رات کے اوقات میں عبادت کرتا ہے، کبھی سجدے میں کبھی قیام میں آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے، آپ کہیے جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں)

آیت نے صاف بتا دیا کہ علم کو عمل اور امید وخشیت سے جوڑنے والا ہی درحقیقت صاحب علم ہے، علم کو عمل سے نہ جوڑنے والا فی الحقیقت علم کا رشتہ ذات خداوندی سے منقطع کرتا ہے لہٰذا علم اس کے لیے نوید زندگی نہیں بلکہ بسا اوقات پیام موت بھی بن سکتا ہے۔

## بقیہ: ایمان وعقیدہ ہمارا سب سے قیمتی سرمایہ

.....جس طرح انہوں نے اب تک ایثار وقربانی سے کام لیا ہے اور دو دو، چار چار، روپئے کے چندہ سے اس محاذ کو سنبھالا ہے، اب بھی اسی پر قائم رہیں کہ اسی میں ایمان وعقیدہ کی خیر ہے، یہ سرکاری پیشکش وہ دجالی جنت ہے جو دیکھنے میں خوشنما معلوم ہو رہی ہے، لیکن اسکے اندر کی گرمی دین وعقیدہ کے خرمن کو جلا کر رکھ دیتی ہے اس کا پورا خیال ودھیان رہے کہ کہیں ہمارا شمار ان افراد میں نہ ہو جائے جن کے بارے میں کہا گیا ''یبیع دینہ بعرض من الدنیا'' دنیا کے معمولی فائدے کے لیے اپنے دین کو بیچ دیتا ہے۔

ہم مسلمان ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ ہماری اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے، لہٰذا ہم کو اپنے ہر فیصلے میں یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس کے اثرات ہماری آخرت والی زندگی پر کیا پڑیں گے، ہمارے اسلاف نے جو خدمت انجام دی ہے، اور جن کی خدمت کے نتیجہ میں آج ہم مسلمان ہیں وہ خدمت انہوں نے ایثار وقربانی ہی سے انجام دیا ہے، یہ ہمارے مدارس ومکاتب کی ایک ذمہ داری ہوئی، باقی ان موجود حالات اور دیگر مسائل کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے علماء وقائدین خصوصاً دینی تعلیمی کونسل کے صدر وذمہ داران ہماری جو رہنمائی فرمائیں اور جس طرح کی قربانی کا مطالبہ کریں اس کے لیے ہمیں ہر طرح تیار رہنا چاہیے، جب ہمارے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ نے کھجور چوس چوس کر اور غزوۂ خندق میں شدید ٹھنڈک وطوفان میں پیٹ پر پتھر باندھ کر دین وعقیدہ کی حفاظت کی ہے، تو کیا ہم اپنی آمدنی کا کچھ حصہ بچا کر اپنے بچوں کے دین وعقیدے کی حفاظت کے لیے اپنے گاؤں اور قصبہ میں مکتب نہیں قائم کر سکتے، اگر ہم ایسا نہ کر سکیں تو کل قیامت میں ہمارے انہیں بچوں کا (جن کے لیے ہم ہزار جتن کرتے ہیں) ہاتھ ہوگا، اور ہمارا دامن وہ بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گے اور قرآن کے الفاظ کہیں گے ''ربنا انا اطعنا سادتنا..... .....الآیۃ (الاحزاب:۶۷-۶۸)

(اے ہمارے پروردگا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہم کو راستہ سے گمراہ کر دیا، اے ہمارے پروردگار ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر)

وہ کیسی حیرت کا وقت ہوگا، کیسا نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اس دن کی گرفت سے اپنے کو بچانے کے لیے آج ہمیں جو قربانی بھی دینی پڑے اس کو بصد شوق قبول کرنا چاہیے، اور اپنے سربراہوں کے بتائے اور بنائے ہوئے خطوط پر گامزن ہونے کے لیے کمر کس لینا چاہیے کہ کسی قوم کی زندگی کی یہی علامت ہے، حالات اگرچہ نازک اور سخت ہیں لیکن عزم اور حوصلہ پتھر سے پانی نکالتا ہے، اور طوفان کے رخ موڑ دیتا ہے، اور ہماری تاریخ میں تو بارہا ایسا ہوا ہے، کیا ہم اپنی پچھلی تاریخ کی ٹوٹی ہوئی کڑی بننا پسند کریں گے؟

# تقویٰ اور اس کے ثمرات

## قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا مدثر جمال تونسوی

پاکیزگی اور طہارت ایک ایسی صفت ہے جو ہر مہذب اور شائستہ قوم کے ہاں پسندیدہ خصائل میں شمار کی جاتی ہے اور اس کے برعکس ناپاکی، گندگی اور نجاست وخباثت ایسی بری خصلتیں ہیں جنہیں ہر قوم وملت کے ہاں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ طہارت اور پاکیزگی کا ایک تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے اور ایک تعلق انسان کے باطن کے ساتھ ہے۔ یہ دو ایسے تعلق ہیں جو دو قوموں کو الگ الگ کر دیتے ہیں: وہ قوم جو نورِ وحی سے محروم ہو اس کے ہاں ظاہری طہارت اور پاکیزگی کا اہتمام تو ملتا ہے لیکن باطنی پاکیزگی کا اس کے ہاں کوئی تصور نہیں پایا جاتا جبکہ وہ قوم جو نورِ الٰہی کی روشن کرنوں سے مستفید ہو اس کے ہاں جس طرح ظاہری پاکیزگی اہم ہے اس سے کہیں بڑھ کر ان کے ہاں باطنی پاکیزگی کی اہمیت ہے۔ انسان ظاہری نجاست سے بچنے کا اہتمام کرے تو یہ ''طہارت'' ہے اور اگر باطنی نجاستوں اور خباثتوں سے خود کو بچائے تو یہ ''تقویٰ'' ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''بعض علمائے ربانی فرماتے ہیں کہ نجات کا مدار دو اجزاء پر ہے: اوامر کا بجالانا اور نواہی سے رُک جانا۔ اور ان دونوں اجزاء میں سے آخری جزو زیادہ عظمت والا ہے جس کو ورع وتقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کا ذکر عبادت واجتہاد کے ساتھ اور دوسرے شخص کا ذکر ورع کے ساتھ کیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ورع یعنی پرہیز گاری کے برابر کوئی چیز نہیں، اور نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ملاک دینکم الورع** (تمہارے دین کا مقصود پرہیز گاری ہے) اور فرشتوں پر انسان کی فضیلت اسی جزو سے ثابت ہے اور قرب کے درجوں پر ترقی بھی اسی جزو سے ثابت ہوتی ہے کیوں کہ فرشتے جزو اول میں شریک ہیں اور ترقی ان میں مفقود ہے۔ پس ورع وتقویٰ کے جزو کا مدنظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی اشد ضروریات میں سے ہے۔'' (مکتوب ۷۶، جلد اول)

درج بالا عبارت سے تقوی کے بارے میں درج ذیل نکات حاصل ہوتے ہیں:

۱- انسان کی نجات کا مدار دو اجزاء پر ہے: اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کردہ باتوں سے رک جانا۔

۲- اللہ تعالیٰ کی منع کردہ باتوں سے رک جانا زیادہ عظمت اور اہمیت رکھتا ہے

۳- اسی تقویٰ اور پرہیز گاری کے سبب انسان کو فرشتوں پر برتری حاصل ہے کیوں کہ اوامر کو پورا کرنے میں تو فرشتے بھی انسان کے شریک کار ہیں

۴- قرب الٰہی کے اعلیٰ درجات کا ملنا اس تقویٰ کی بدولت ہے

۵- تقویٰ کو مدّ نظر رکھنا اسلام کے اعلیٰ مقاصد میں سے ہے۔

قرآن کریم نے تقویٰ کے موضوع کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، تقویٰ کی حقیقت اور ضرورت کو بھی اجاگر کیا ہے اور اس تقوی پر ملنے والے عظیم انعامات بھی کافی تفصیل کے ساتھ گنوائے ہیں۔

## حصول تقویٰ کے دس اسباب

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حصول تقویٰ کے لیے دس چیزوں کو لازمی قرار دیا ہے، جس شخص کو وہ دس باتیں حاصل ہو جائیں تو اسے تقویٰ حاصل ہو گیا اور جو ان سے محروم ہے تو وہ تقویٰ کی عظیم نعمت سے بھی محروم ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''جب تک انسان اِن دس چیزوں کو اپنے اوپر فرض نہ

کر لے تب تک کامل ورع (تقویٰ) حاصل نہیں ہوتا: (۱) زبان کو غیبت سے بچائے (۲) بدظنی سے بچے (۳) مسخرہ پن یعنی ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرے (۴) حرام سے آنکھ بند رکھے (۵) سچ بولے (۶) ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی کا احسان جانے تاکہ اس کا نفس مغرور نہ ہو (۷) اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور راہ باطل میں خرچ کرنے سے بچے (۸) اپنے نفس کے لیے بلندی اور بڑائی طلب نہ کرے (۹) نمازوں کی محافظت کرے (۱۰) اہل سنت وجماعت (عقائد) پر استقامت اختیار کرے" (مکتوب ۶۶، جلد دوم)

## تقویٰ اور محبت الٰھی:

قرآن مجید نے تقوی کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ یہ بیان کیا ہے کہ اس سے انسان کو اللہ تعالی کی محبت نصیب ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بلی من اوفی بعھدہ واتقی فان اللہ یحب المتقین (آل عمران:۷۶)

ہاں! جو شخص (اللہ تعالی کے ساتھ کیے ہوئے) اپنے اقرار کو پورا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے تو بے شک اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

## دنیاوآخرت میں رحمت کا سبب

انسان قدم قدم پر اپنے رب کی رحمت کا محتاج ہے، اور وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جنہیں اپنے رب کی رحمت سے کچھ حصہ نصیب ہو جائے۔ البتہ ایک بات یہاں یاد رکھی جائے کہ ایک رحمت تو وہ ہے جو دنیا میں ہر انسان کو حاصل ہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اور اسی رحمت کا ثمرہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کو دنیا میں دنیوی نعمتیں ملتی ہیں اسی طرح کافروں کو بھی دنیوی نعمتیں ملتی رہتی ہیں مگر آخرت میں انعامات اور رحمت صرف اہل ایمان کو ملے گی اور کافر اس دن سوائے افسوس کچھ نہ کر پائیں گے۔ یہ دنیوی اور اخروی رحمت جن خوش نصیبوں کو ملتی ہے ان کی ایک صفت تقویٰ ہے۔ قرآن بیان کرتا ہے:

ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبھا للذین یتقون ویوتون الزکوۃ والذین ھم بآیاتنا یومنون۔ (الاعراف:۱۵۶)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) اُن لوگوں کے لیے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، اور زکوۃ ادا کریں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں۔

## خطرات سے حفاظت وامان کا سبب

دنیا میں کتنے شریر وفتنہ پرور انسان اور جنات ہیں جو اہل ایمان کے جان ومال اور ایمان واعمال صالحہ کو تباہ کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اس صورت میں ضرورت ہے کہ کوئی ایسا محفوظ قلعہ ہو جہاں انسان کو ان خطرات سے پناہ ملے اور آخرت میں ناکامی سے حفاظت ہو جائے تو ایسا محفوظ قلعہ تقویٰ ہے۔ قرآن کریم بتلاتا ہے:

وینجی اللہ الذین اتقوا بمفازتھم لایمسھم السوء ولاھم یحزنون۔ (الزمر:۶۱)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اللہ ان کو نجات دے کر ان کی مراد کو پہنچا دے گا، انہیں کوئی تکلیف چھوئے گی بھی نہیں اور نہ انہیں کسی بات کا غم ہوگا۔

## نوربصیرت اور تقویٰ:

اہل ایمان کو اللہ تعالی ایسا نور بصیرت عطا فرماتے ہیں جس سے وہ اپنے نفع ونقصان کو اچھی طرح پہچان لیتا ہے اور پھر اسے نفع بخش امور کی توفیق مرحمت کر دی جاتی ہے اور اس کے دل میں نقصان دہ امور کی نفرت ڈال دی جاتی ہے۔ یہ نورِ بصیرت خاص اہل ایمان کو نصیب ہوتا ہے اور یہ خاص اہل ایمان وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا یہ بیان ملاحظہ کریں:

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے اور تمہارے لیے وہ نور پیدا کرے جس کے ذریعے تم چل سکو اور تمہاری بخشش فرمادے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ (الحدید:۲۸)

اس آیت میں جس نور کے ملنے کا تذکرہ ہے اس سے دو قسم

کا نور مراد ہے:

۱- دنیا میں نور یعنی ایمان اور اعمال صالحہ اور بصیرت قرآنی کا نور جو انسان کو حق پر قائم رکھتا ہے خواہ ایسا شخص دنیا کے کسی بھی کونے میں چلا جائے یہ نور اس کے ساتھ رہتا ہے۔

۲- آخرت میں نور یعنی جب انسان پل صراط سے گزرنے لگے گا تو یہ نور اس کے لیے روشنی پیدا کرے گا تا کہ اس کے لیے چلنا آسان ہو جائے۔

## معیت اور نصرت الٰہی کا سبب

تقوی اختیار کرنے سے ایک اہم فائدہ یہ ملتا ہے کہ اہل ایمان کو شیطان، نفس، اور دیگر دشمن مثلاً کفار و منافقین کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی معیت، نصرت اور تائید حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ان دشمنوں کی کارستانیوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔
(النحل:۱۲۸)

ترجمہ: یقین رکھو کہ اللہ ان کا ساتھی ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو احسان پر عمل پیرا ہیں۔

## گناہوں کی خطرناکی کا ادراک:

انسان کے لیے گناہ اس قدر خطرناک نہیں ہے جس قدر گناہ کی ہولناکی اور نقصانات سے غفلت خطرناک ہے کیوں کہ اس طرح انسان گناہوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور اس کے دل میں ان کے نقصانات کا وسوسہ تک نہیں آتا اور یوں وہ توبہ اور استغفار سے یکسر غافل ہو جاتا ہے اور اس طرح ایسا انسان نافرمانیوں کا بوجھ لیے اس دنیا سے چلا جاتا ہے اور توبہ کے بغیر مر جاتا ہے اور یہ کسی انسان کے لیے بڑی سخت بدبختی ہے کہ وہ توبہ اور استغفار سے محروم رہ کر اس دنیا سے گیا ہو۔ ہاں جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں وہ بے شک معصوم تو نہیں بن جاتے لیکن اس تقوے کی برکت سے انہیں گناہوں کی خطرناکی کا ادراک ہو جاتا ہے اور یہ احساس ہوتے ہی وہ فوراً توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس سے اللہ کی رحمت ان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کی ناراضی سے بچ جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے یوں سمجھایا ہے:

ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذاھم مبصرون۔ (الاعراف:۲۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے انہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں، چنانچہ اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

## مغفرت اور اجر عظیم کا حصول:

سورۃ الطلاق میں اللہ تعالیٰ ارشاد ہے:

ومن یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ و یعظم لہ اجرا
(الطلاق:۵)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اس کو زبردست ثواب دے گا۔

## رزق اور بھلائیوں میں وسعت

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقوی اختیار کر لیتے تو ہم ان آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ (الاعراف:۹۶)

## تمام خزانوں کی کنجی :

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (سورۃ الطلاق:۲)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے مشکل سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا اور ایسی جگہ سے روزی دیں گے جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

یعنی اللہ سے ڈر کر اس کے احکام کی بہر حال تعمیل کرو خواہ کتنی ہی مشکلات و شدائد کا سامنا کرنا پڑے، حق تعالیٰ تمام مشکلات

سے نکلنے کا راستہ بنادے گا اور سختیوں میں بھی گزارہ کا سامان کر دے گا۔ اللہ کا ڈر دارین کے خزانوں کی کنجی اور تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ اسی سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں، بے قیاس وگمان روزی ملتی ہے، گناہ معاف ہوتے ہیں، جنت ہاتھ آتی ہے، اجر بڑھتا ہے اور ایک عجیب قلبی سکون واطمینان نصیب ہوتا ہے، جس کے بعد کوئی سختی، سختی نہیں رہتی اور تمام پریشانیاں اندر ہی اندر کافور ہوجاتی ہیں۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ اس آیت کو پکڑ لیں تو ان کو کافی ہوجائے۔

## اچھے انجام کا سبب:

دنیا اور آخرت میں انسان کو اچھا نتیجہ اور اچھا بدلہ مل جائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوسکتی ہے؟ قرآن بتلاتا ہے کہ یہ نعمت بھی تقویٰ سے ملتی ہے:

**فاصبر ان العاقبة للمتقين۔** (ہود:۴۹)

ترجمہ: صبر سے کام لو، اور آخری انجام متقیوں ہی کے حق میں ہوگا۔

اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ راہ حق میں آنے والی تکالیف، شدائد ومصائب اور مخالفتوں سے گھبرانا نہ چاہیے کہ یہ سب آزمائش کا ذریعہ ہیں جو لوگ ان آزمائشوں میں پورا اترتے ہیں تو آخرکار فیصلہ انہی کی کامیابی کا ہوتا ہے اور انجام کار وہی سرخرو ٹھہرتے ہیں۔

## قرآن سے استفادہ کا سبب:

قرآن کلام الٰہی ہے اس میں نور، ہدایت، شفاء، علم، رشد وارشاد اور حقائق ومعارف کا ایک انمٹ جہاں ہے مگر یہ سب فوائد اسی کو حاصل ہوتے ہیں جو اپنے دل میں اللہ کا ڈر اور تقویٰ پیدا کرلے۔ قرآن نے صاف بیان کیا ہے:

**هذا بيان للناس وهدى وموعظة للمتقين۔**

(آل عمران:۱۳۸)

ترجمہ: یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لیے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت اور نصیحت!

## انبیاء کی صفت:

تقویٰ ایک ایسا وصف ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی تصدیق کرنے سچے پیروکاروں کی صفت ہے چنانچہ جو مسلمان اس صفت کو اپناتا ہے وہ ان کے ساتھ شمار ہوجاتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا ہے:

**والذى جاء بالصدق وصدق به اولئك هم المتقون۔** (الزمر:۳۳)

ترجمہ: اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اُس کو، وہی لوگ متقی ہیں۔

## اعمال کی اصلاح اور مغفرت کا سبب:

متقین کا ٹھکانہ جنت ہے:

قرآن کریم نے تقویٰ کا ایک فائدہ یہ بیان کیا ہے:

**ان للمتقين عندربهم جنات النعيم۔** (القلم:۳۴)

ترجمہ: بے شک متقیوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں بھرے باغات ہیں۔

ممکن ہے کہ کسی مسلمان کے دل میں یہ خیال گزرے کہ اس فتنہ پرور ماحول میں ایسا تقویٰ اختیار کرنا کیسے ممکن ہے؟ جہاں ہر چہار جانب گناہوں کے اسباب ووسائل انسان کے دین وایمان اور اعمال صالحہ کو گھائل کیے جارہے ہیں؟ تو آخر میں اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں اس وسوسے کا بہترین جواب حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے مکتوبات (مکتوب ۶۶، دفتر دوم) میں یوں بیان فرمایا ہے:

''اے میرے مخدوم ومکرم! اور اے شفقت ومکرمت کی نشانیوں والے! اگر تمام گناہوں سے توبہ میسر ہوجائے اور تمام محرمات اور مشتبہات سے ورع وتقویٰ حاصل ہوجائے تو بڑی اعلیٰ دولت اور نعمت ہے، ورنہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض محرمات سے بچنا بھی غنیمت ہے۔ شاید ان بعض کی برکات وانوار بعض دوسروں میں بھی اثر کرجائیں اور تمام گناہوں سے توبہ وورع کی توفیق نصیب ہوجائے۔ مالایدرک کلہ لایترک کلہ (جو چیز ساری حاصل نہ ہو اس کو بالکل ہی ترک نہ کرنا چاہیے)۔

# ہندستان میں اسپین کی تاریخ دہرانے کی سازش

سید محمد خالد برکتی

مسلمانوں نے جب یوروپ کی سرزمین کو فتح کیا تھا تو اس وقت کی سرفروشی کا عالم یہ تھا کہ مجاہد اعظم طارق بن زیاد نے اسپین کے ساحل پر پہنچنے کے بعد سب سے پہلے اپنی کشتیاں جلا دیں تا کہ یہاں سے لوٹنے کا سوال ہی ختم ہو جائے جب انسانی عزم وارادہ اور یقین اس بلندی کو پہنچ جاتا ہے تو مشیت اس کی معاون بن جاتی ہے، خدا نے اس ملک کو مسلمانوں کے قدموں میں رکھ دیا، انہوں نے وہاں ۷۸۰ برس تک حکومت کی، مسلم نے وہاں الزہراء اور الحمراء جیسے فن تعمیر کے لا ثانی شاہ کار تعمیر کروائے اور قرطبہ یونیورسٹی قائم کی (جہاں یوروپ کے نوجوان آکر سائنس وفلسفے اور حکمت کا درس لیتے تھے) قرطبہ میں ایک عظیم الشان اور دنیا کی خوبصورت ترین مسجد تعمیر کروائی، یہ تمام چیزیں بارہ سو سال بعد بھی اپنے کھنڈروں کی زبان میں اپنی عظمتوں کی کہانی سناتیں ہیں، اتنی شان سے حکومت کرنے کے بعد بھی مسلمان آج وہاں گنتی کے ہی رہ گئے ہیں، ہمیں اسپین کی تاریخ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے، کہ آخر کیا وجہ رہی کہ اتنے برس حکومت کرنے کے باوجود مسلمان ایک دم زوال پذیر ہو گئے ہمیں اسپین کی تاریخ کا مطالعہ اس لیے بھی کرنا چاہیے کہ کہیں ہمارے زوال کی گھنٹیاں ہلکے سروں میں نہیں بج رہی ہیں، اور کہیں ہم بھی اندلس کے زوال نصیب مسلمانوں کی راہ پر تو نہیں چل رہے ہیں اور یہ بھی پتہ چلائیں کہ کہیں ہمارے دشمنوں نے اندلس کی تاریخ پڑھ کر اس سے ہماری تباہی اور بربادی کا لائحہ عمل تو تیار نہیں کیا ہے۔

اسپین پر مسلمانوں نے ۷۱۴ء سے ۱۴۹۲ء تک حکومت کی لیکن آج اسپین میں مسلمان بہت کم نظر آتے ہیں، اس کے باوجود بھی اسپین کی معاشرت اور تہذیب پر آج بھی اسلام کے اثرات زیادہ ہیں، ۱۴۹۲ء میں جب غرناطہ جو مسلمانوں کا آخری قلعہ تھا اس کی شکست ہوئی تب ہی سے وہاں کے مسلمان دھیرے دھیرے ختم ہونا شروع ہوئے، اور ۱۶۱۲ء تک جبکہ اسپین سے مسلمانوں کے آخری قافلے نے ہجرت کی مسلمانوں کا زوال مکمل ہو چکا تھا، اس سلسلے میں قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ جس وقت اسپین سے مسلمانوں کا اخراج ہو رہا تھا اس وقت تمام متمدن دنیا مسلمانوں کے زیر اقتدار آچکیں تھیں، ایران میں صفوی حکمراں کا دور دورہ تھا، عثمانی ترکوں نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر فتح حاصل کی اور اس پورے علاقہ میں ان کی حکمرانی قائم ہو گئی، مصر میں مملوکوں کی حکومت تھی، اور ہندستان میں مغلوں کا اقتدار اس کے باوجود بھی اسپین سے مسلمانوں کو ہجرت کرنی پڑی اور اتنی طاقتور مسلم حکومتوں نے وہاں کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے کوئی تدبیر نہیں کی۔

اس صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی کے دوران اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا موضوع ہندستان کے فرقہ پرست نازیوں کے گہرے مطالعہ کا مرکز رہا ہے، انہوں نے تاریخ کے اس دور کا مطالعہ اس غرض سے کیا کہ ہندستان میں بھی اس عمل کو دہرایا جائے لیکن موجودہ دور کے مسلمان اسپین میں مسلمانوں کے زوال کی تاریخ سے یکسر ناواقف معلوم ہوتے ہیں اور اسی لیے اپنے خلاف ہونے والی سازشوں سے بھی بے خبر ہیں۔

ہندستان کی طرح اسپین میں بھی مسلمانوں کے تین طبقے ہیں (۱) عربی النسل مسلمانوں کی نسل (۲) ان مسلمانوں کی نسلیں جن کے باپ عربی اور مائیں اسپینی تھیں (۳) وہ لوگ جنہوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا۔

غرناطہ کی شکست کے فوراً بعد عربی النسل مسلمانوں کی بڑی تعداد نے اپنی جان بچانے کے لیے تیونس یا مراقش کی طرف ہجرت کی جن میں سے بہت سارے عیسائیوں کے حملے کا شکار

ہوگئے، اور جو عربی النسل اسپین میں رہ گئے ان پر غیر ملکی اور ''اسپین تباہ کرنے والے'' کے الزامات عائد کئے گئے (جیسا کہ ان دنوں ہندستان میں کیا جارہا ہے) دوسرے اور تیسرے طبقہ کے مسلمان یعنی ایک تو وہ جن کے آباء کے باپ عرب اور مائیں اسپینی تھیں، اور دوسرے جو عیسائی مذہب ترک کر کے مسلمان ہوئے تھے، اسپین کے بادشاہ فرینڈ کی اس یقین دہانی پر کہ ان لوگوں کو مکمل آزادی دی جائے گی، اسپین ہی میں رہ گئے اور عیسائیوں کے تشدد کے شکار ہوگئے، (ہندستان میں بھی ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو مکمل آزادی اور حقوق حاصل ہیں) شروع کے برسوں میں اسپین کے ان مسلمانوں کی جان و مال پر ہونے والے عیسائیوں حملے کو یہ کہہ کر معاف کر دیا جاتا رہا کہ یہ تشدد صرف عارضی چیز ہے کیا یہ صورت حال بالکل ویسی نہیں ہے جیسی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانوں کو درپیش رہی ہے، اسپین میں مسلمانوں پر ۵۰/ برسوں تک رک رک کر حملے جاری رہے جیسا کہ آج ہندستان میں ہورہا ہے۔

جس وقت اسپین میں منظم عیسائی گروہ مسلمانوں کی نسل کشی میں لگے ہوئے تھے، فرینڈ کی حکومت نے ملازمتوں سے مسلمانوں کو باہر نکالنے کی پالیسی شروع کی اور حسب ذیل اقدامات کئے:

☆انتظامیہ میں عربی کا استعمال ختم کر دیا گیا، مسجدوں سے لگے ہوئے مدرسوں میں سائنس، تاریخ، ریاضی اور فلسفہ کی تعلیم دینے پر پابندی لگا دی گئی، تاریخ کو اس طرح مسخ کیا گیا جس سے مسلم دور کی حکومتوں کو غیر مہذب کہا جاسکے اور اسپین کی ترقی میں مسلمانوں کی کوششوں کو جھٹلایا جاسکے، مسلمانوں کے گھروں کو ہتھیار جمع کرنے یا خفیہ جلسے کرنے کے الزامات کے بہانے مسلسل تلاشیوں کا نشانہ بنایا گیا، عربی النسل مسلمانوں کو عیسائیوں کا دشمن اور اسپین کو تباہ کرنے والا قرار دیا گیا، ان لوگوں کو جو عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے یہ ترغیب دی گئی کہ ان کے آباء نے جبر کے تحت اسلام قبول کیا تھا اور چونکہ اب کوئی جبر نہیں ہے اس لیے وہ دوبارہ عیسائی بن جائیں، جو مسلمان عیسائی اور مسلم والدین کی اولادوں میں سے تھے ان کی پیدائش کو ناجائز کہہ کر ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور انہیں عیسائی مذہب میں آنے کے لیے زور دیا جاتا تھا، اسلامی طریقے کے مطابق ہونے والی شادیوں کو عدالتوں میں رجسٹرڈ کرنے کا حکم جاری کیا گیا۔

اسلامیہ قانون کو ختم کر دیا گیا، اگر آج آپ پوری دینداری سے غور کریں تو یہی عمل آج ہندستان میں خوش اسلوبی اور بہتر کارکردگی کے ساتھ کئے جارہے ہیں۔

اسپین کے مسلمانوں کو طنز و تمسخر، قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کا نشانہ بنایا گیا، ان کے گھروں اور مال و اسباب کو جلا کر خاک کر دینے کے عمل کو فروغ دیا جانے لگا تاکہ ان کی اقتصادی حالت تباہ ہو جائے، مسلمانوں کے عیسائی ہونے کی جھوٹی خبروں پر خوب اشتہار اور زور و شور کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔

اسپین میں رہ جانے والی دو پشتوں نے تو اپنے مذہب کے تحفظ کے لیے انفعالی راستہ اپنایا انہوں نے اپنے بچوں کو گھروں اور مدرسوں میں عربی تعلیم دی اور انہیں ان کے ماضی سے واقف کرایا، لیکن دھیرے دھیرے ان کا جوش کم ہوتا گیا اور لوگ اسلامی ماحول سے دور ہوتے گئے اور جب یہ حکم عائد ہوا کہ شادیاں صرف سرکاری اداروں کے ذریعہ ہی کی جاسکیں گی، تو شروع میں تو مسلمانوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے سرکاری ادارے میں شادی رجسٹرڈ کرواتے تھے اور گھر میں خفیہ طور پر نکاح کی رسم کرتے تھے لیکن ماحول کے اثرات سے متاثر ہو کر یہ خفیہ نکاح کی رسم بھی ختم ہوگئی اور اس پر پابندی لگا دی گئی۔

اس دوران مسلمان دھیرے دھیرے قیادت کے اثرات سے آزاد ہوتے چلے گئے اور مسلمانوں نے ترکی، تیونس، مراقش اور مصر وغیرہ کی طرف ہجرت شروع کر دی غریب مسلمان بے یار و مددگار رہ گئے، بالکل یہی صورت حال آج ہندستان میں بھی پائی جاتی ہے، انگریزی داں اور پیسے والے مسلمان یہاں غیروں کے طور طریقے استعمال کر رہے ہیں، اور مذہب سے دور

کافروں کے ماحول میں جی رہے ہیں، اس وجہ سے انہیں کی طرز زندگی سے زیادہ متاثر ہو رہے ہیں، سولہویں صدی سے پہلے مسلمان ۵۰ برسوں کے دوران اسپین میں جو بیج بوئے گئے تھے بعد کے ۵۰ برسوں میں ان کے نتائج ظاہر ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے پاس کوئی قیادت نہیں تھی، تنظیم نہیں تھی جو ان کے تحفظ کا کام کر سکے، اور نہ ہی بیدار مغز شخصیتیں تھیں، جو ان حالات پر قابو پا سکتیں، مذہبی قیادت کو اسلامی علوم کے علاوہ کسی اور علم سے واقفیت نہیں تھی، حالات پر قابو پانے کی انہوں نے کوشش تو ضرور کی لیکن حکومت کی طرف سے ہونے والے پروپیگنڈے، مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے دیئے جانے والے لالچ اور مسلم عوام سے ناوقفیت اور اس کے سبب ان کے اندر پیدا ہونے والی احساس کمتری کا مقابلہ کرنا ان علماء کے بس میں نہیں تھا، اس کا مقابلہ کرنے کے لیے سیاسی تنظیم کی ضرورت تھی، جو دفاعی چیزوں اور دوسرے وسائل سے لیس ہوتی لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا، جو مسلمان دوسری حکومتوں سے مدد مانگنے کی کوشش کرتے تھے ان سے مسلمانوں میں خوف پیدا ہوتا تھا اور خود مسلمانوں کے ذریعہ ان کی خبر غیر مسلموں کو دی جاتی تھی، اور ان پر سرکاری عتاب نازل ہوتا تھا مقامی طور پر خطرات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہونے کے سبب ترکی یا مصر کی حکومتیں بھی کوئی مدد کرنے سے قاصر تھیں، ترکی اور مصر میں ہجرت کر کے پہنچنے والے اسپینی مسلمانوں نے بھی ان حکومتوں کو مشورہ دیا کہ وہ اسپین کے معاملات میں مداخلت نہ کریں، کیوں کہ اس کے سبب وہاں کے مسلمانوں پر مظالم اور زیادہ بڑھ جائیں گے، دھیرے دھیرے مسلمان اسپین کے قومی دھارے میں شامل ہو گئے، اور علماء وغیرہ بھی اپنے لیے کوئی جگہ نہ دیکھتے ہوئے ہجرت کر گئے اسی لیے ۱۶۱۲ء میں اسپین سے سخت جاں مسلمانوں کا آخری قافلہ گیا اس میں صرف علماء ہی تھے، ہندستان میں بھی مسلمانوں کی سیاسی قیادت غیر مسلموں کی قیادت میں چلنے والی سیاسی پارٹیوں کا دم چھلہ بن کر رہ گئی ہے، چند مذہبی عالم بچے ہیں جو مسلمانوں کی شناخت قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ہندستان میں اسپین کی تاریخ کو زیادہ قوت اور بہتر طریقہ سے دہرانے کی کوشش کی جارہی ہے، اردو سے محبت ختم کرائی جارہی ہے، مسلمانوں میں جو لوگ سختی سے مذہب پر عمل پیراں ہیں انہیں بنیاد پرست اور کٹر پنتھی کہہ کر خود مسلمان طبقہ کو ان سے دور کیا جارہا ہے، اور نئے نئے قانون بنا کر مسلمانوں کی شریعت پر (Indirectly) حملہ کیا جارہا ہے، لیکن مسلمان ہیں کہ اسپینی مسلمانوں کی طرح محو خواب ہیں، مسلمانوں کے قتل عام کو خود مسلم قیادت نے بھی ایک جیسے ایک فطری عمل سمجھ لیا ہے، اس معاملہ کو جب بھی کسی بین الاقوامی سطح پر اٹھایا جاتا ہے تو اسے ہندستان کے داخلی معاملات میں مداخلت سے تعبیر کیا جاتا ہے، نصاب کی کتابوں سے مسلم تاریخ کو نکال دیا گیا ہے، بابر، محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور اورنگزیب جیسے عظیم الشان فاتحین کو ایک لٹیرا ثابت کیا جارہا ہے، ہندستان کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانیوں کو سرے سے نظر انداز کر دیا گیا۔

## جب نور ایمان آئے گا

''حضور ﷺ کی معاشرت کی بنیاد پاکیزگی، سادگی اور حیا پر ہے، اور یہود و نصاریٰ کی لائی ہوئی معاشرت کی بنیاد بے حیائی اسراف اور تعیش پر ہے، تمہیں ان کی معاشرت پسند آنے لگی جنہوں نے تمہارے اسلاف کے خون بہائے، عصمتیں لوٹیں، ملک چھینیں، اور اب بھی تمہیں امداد دے کر اس طرح پال رہے ہیں جس طرح تم مرغیاں پالتے ہو (یعنی ذبح کرنے کے لیے) اور جس نے تمہارے لیے خون بہایا، دانت شہید کرائے حضرت حمزہؓ جیسے چچا شہید کرائے، تمہارے لیے راتیں جاگتے گذاریں، ان کی معاشرت تمہیں پسند نہ آئی۔

دوستو! حضور ﷺ کی معاشرت بھی قیامت تک کے لیے ہے، جیسے ان کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے، جب تم میں نور ایماں آئے گا تو تمہیں حضور ﷺ کی معاشرت کی ایک ایک چیز پیاری لگے گی۔'' (حضرت مولانا محمد یوسفؒ)

# علامہ اقبالؒ کی شاعری

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

آج سے چند سال پیشتر حضرت اقبالؒ کی شاعری کے متعلق دو متضاد رائیں سننے میں آتی تھیں اور آج بھی جبکہ ان کے کمالاتِ فن کے اظہار نے تصانیف کی صورت اختیار کر لی ہے، یہ اختلاف رائے بعض حلقوں میں دیکھنے میں آتا ہے، ایک گروہ انہیں ہندوستان بلکہ ایشیاء کا بہترین شاعر مانتا ہے، اور دوسرے گروہ کو اپنی پست ذہنیت اور کور ذوقی کے باعث اس میں شک ہے، یہ ادبی کافروں کا گروہ اگر کبھی اپنی بد مذاقی کے اخفاء کی غرض سے ان کے کمالات شاعری کا اعتراف دبی زبان میں کرتا بھی ہے تو عذر گناہ بدتر از گناہ کے مصداق ہوتا ہے، کیوں کہ ایسے اصحاب کی تحسین ''تحسین سخن ناشناسی'' کا حکم رکھتی ہے، اقبال کی شاعری تو خیر بلند شے ہے، عام شاعری کی صحیح داد دینے کے لیے بھی مذاق سلیم ہونا بھی نہایت ضروری ہے، مذاق سلیم کے علاوہ اقبالؒ کے کلام میں ایک خصوصیت اور بھی ہے جو بعض اشعار کی تہ تک پہنچنے میں حارج ہوتی ہے، وہ ان کے تخیل کی فلسفیانہ وقت طرازیاں ہیں، یہ انہیں وقت ترازیوں کا نتیجہ ہے کہ ان کا کلام ہمیشہ معرض بحث میں رہا ہے۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

میرا موضوع اقبال کی شاعری ہے، میں اس موضوع کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا:

۱۔ اقبال کا کلام یا فن شاعری۔

۲۔ اقبال کی شاعری کی حیثیت اور اس کا اثر۔

اقبال کا پیغام راز حیات ہے، انسان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کا راز جسے انہوں نے برسوں کی جگر سوزیوں کے بعد سمجھا لیکن بیچارگی یہ ہے جہاں میں ایک بھی محرم راز ایسا نہیں جس کے سامنے وہ اس حقیقت کا اظہار کر سکیں۔

تاب گفتار اگر ہست شناسائے نیست
وائے آں بندہ کہ در سینۂ او راز ہست

اقبالؒ نے کائنات کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے وہ اسرار ہستی کو سمجھنے سے پہلے تجسس حقیقت کی تمام منزلیں طے کر چکے ہیں، اول اول ان کی نظر ہندوستان کی وطنی تنگ فضا پر پڑتی ہے، وہ وطن کے شیدائی کی حیثیت میں ہندوستان کے گیت گاتے ہیں، لیکن یہ جستجوئے حق کی پہلی منزل ہے، جب ان کی نگاہ ہندوستان کے تنگ دائرے سے نکل کر فضائے عالم پر پڑتی ہے تو ان کی وطنیت اس وسیع کائنات میں اپنی ہستی کھو دیتی ہے، جہاں انسان کی حیثیت معمورۂ عالم کی کثیر آبادی میں ایک ادنی فرد کی سی رہ جاتی ہے لیکن ان کی تجسس کوش نظریں یہاں بھی نہیں رکتیں وہ معمورۂ عالم کو کائنات کا ایک جز خیال کرتے ہیں جہاں انسان کی ہستی ایک ذرے کی حیثیت رکھتی ہے، وہ حقیقت کائنات اور حیات انسانی کے راز کو سمجھنا چاہتے ہیں، وہ علوم فلسفہ و دانش سے اس عقدے کو سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن انہیں پتہ چلتا ہے کہ موجودہ تہذیب و تمدن کی خرد افروزیاں اس حقیقت کو منکشف نہیں کر سکتیں لکھتے ہیں

قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا
ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر ندارد

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک چشم بینا ایک خلیلی روح کی ضرورت ہے

از کلیمے سبق آموز کہ دانائے فرنگ
جگر بحر شگافید و بہ سینا نرسید

انسانی عقل اشیاء کی سطح تک رہتی ہے، باطن کی خبر لانے کے

لیے روحانی بے داری ضروری ہے ، اقبال اپنی منازل جستجو کو روحانی بیداریوں کے سہارے طے کرتا ہے، یہ راستہ گو بہت دور دراز ہے لیکن اگر یہ روحانی کشف حاصل ہو جائے تو دونوں جہاں پر حاوی ہو جانا آسان ہے۔

در دشت جنونِ من جبریل زبوں صید ے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال'' نے انسانی دلوں کی تڑپ سوز و گداز جستجو و تلاش حق اور پھر وادیٔ عشق کی تمام منازل کا صحیح نقشہ پیش کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ انسان میں یہ تڑپ فطری ہے اور یہی چیز ہے جو اسے جستجو پر مجبور کرتی ہے۔ وہ خود اسی سوز میں جلتے ہیں اور اسی بصیرت افروز روحانی بیداری سے دونوں جہاں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

می شود پردۂ چشم پر کا ہے گا ہے
دیدہ ام ہر دو جہاں بہ نگاہ گا ہے

وہ اپنی کشادہ دلی سوز قلب و جوش حرارت کے باوجود خدا سے ہمیشہ اس تڑپ سوز اور روحانی بیداری کے متمنی ہوتے ہیں ، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ زندگی یہی شئی ہے، اور یہی باطنی ہنگامہ آرائی وکشمکش حیات ہے، وہ نہ صرف خودی بیدار کرنا چاہتے ہیں بلکہ اپنی گرم نوائیوں سے دوسروں کو اور مردہ قوم میں روح حیات پھونکنے کے لیے عیسیٰؑ کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

یا رب درون سینہ دل باخبر بدہ
در بادہ نشہ رانگر آنظر بدہ
ایں بندہ را کہ بانفس ودیگراں نہ زیست
یک آہ خانہ زاد، مثال سحر بدہ
تیرے کہ ناگفندہ فتد کار گر بدہ

حضرت اقبالؒ اپنی دوررس نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ مغربی تہذیب جو نوع انسانی پر مسلط ہو رہی ہے، دنیا کے لیے مفید نہیں وہ روحانیت کو افسردہ کرتی ہے اور مادیت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کا انحصار محض علم و دانش پر ہے، آلات حرب کے لیے ہے ،اقبال تمام غیر محسوس اثرات کو دیکھتے ہیں، اور ایشیا والوں کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص اس سے بچنے کی تلقین فرماتے ہیں، دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہی زر کم عیار ہوگا، تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا شمع وشاعر میں لکھتے ہیں۔

دیکھ لو سطوت رفتارِ دریا کا مآل
موج مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نواساماں طیور
خون گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

جاوید نامے میں اقبالؒ جاوید سے خطاب کرتے ہیں اور اسے مغربی تہذیب کے زیر اثر ائندہ رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا محض عقل و دانش کی اسیر بن کر رہ جائے گی، دلوں میں سوز وگداز نہ ہوگا، آنکھیں مجاز پرست ہوجائیں گی، دنیا کے لوگ اصنام آب وگل کے پرستار ہو جائیں گے۔

ان حقائق و معارف میں اقبالؒ کا فلسفۂ خودی بھی شامل ہے جس پر ان کی رائے میں ہرشی کی زندگی کا انحصار ہے، خودی ہی سے انسان کی ہستی قائم ہے، اور خودی کیا ہے؟ اقبالؒ کے مطابق انسان کے لیے اپنی کا احساس ہی خودی ہے ، اس کے اندر کمالات کے تمام اسرار پوشیدہ ہیں ، خودی آرزو کی تڑپ سے سوز حاصل کرتی ہے، اور دل کو توانائی عطا کرتی ہے ، یہ عشق، عشقِ حق ہے، اور محبوب انسان کے دل ہی میں نہاں ہے جسے دیکھنے کے لیے چشم بینا درکار ہے۔

عاشقی آموز و محبوبے طلب  چشم نوحے قلب ایوبؑے طلب
کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے  بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمع خود را ہمچو رومی بر فروز  روم را در آتش تبریزؒ سوز

بے خودی کیا ہے؟ خودی جب تک انفرادی زندگی میں ہے خودی ہے، لیکن جب ایک فرد جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کی حیثیت کچھ اور ہو جاتی ہے، وہ پہلے ناز ہوتا ہے پھر نیاز، وہ

پہلے قطرہ ہے تو پھر سمندر بن جاتا ہے۔

کون اس حقیقت سے انکار کرسکتا ہے، پریشان افراد بکھری ہوئی پھولوں کی پتیاں ہیں لیکن ایک جماعت میں شریک ہوکر وہی چمن بن جاتی ہیں۔

اقبالؒ کا مخاطب دنیا کا ہر وہ بشر ہے جو ایک مضطرب دل رکھتا ہے ان کی مخاطب ہر وہ قوم ہے جو دنیا میں اپنے وجود کو برقرار رکھنا چاہتی ہے، اقبالؒ کے رگ و پے میں ایشیائی سوز و گداز ہے، وہ اس عالم گیر اخوت کے علم بردار ہیں جس کا دوسرا نام اسلام ہے، وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ دنیا اور بالخصوص مسلمان اگر ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے اسلاف کا طرز عمل ہی مفید ہے ۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

میں نے اقبالؒ کے پیام یا ان کے خیالات کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے، بحیثیت فن شاعری کے ان کے کمالات کیا ہیں؟ انہوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہے، انہوں نے شاعری کا آغاز اردو سے کیا اور اس میں غزل سے ابتدا کی، مشہور غزل گو حضرت داغ کے تلمذ بنے، لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہا، شاعر کی وسعت تخیل تنگنائے غزل میں نہیں سما سکتی، وہ دوسری اصناف سے کام لیتے ہیں، لیکن علوئے تخیل ان سے بھی ابھر ابھر کر نکلتا ہے، اردو زبان کی کم مائیگی جواب دے جاتی ہے وہ فارسی میں اشعار کہتے ہیں جو ان کے لیے بے حد موزوں ہے۔

انہوں نے تمام اصناف سخن میں کمال فن کے ساتھ شاعری کی، ان کا فن ظاہری رسوم و قیود سے بالاتر ہے، ان کے کمال کا انحصار علوئے تخیل پر ہے، ان کا انداز بیان فلسفیانہ ہے، طلوع صبح کا ذکر ہو یا شفق شاہ کا، کشمکش زیست کا سوال ہو یا فسردگئ مرگ کا، ان کی نگاہ اشیاء یا واقعات کی ظاہری سطح پر نہیں ٹھرتی، بلکہ وہ ان میں محو ہوکر حقیقت کی تہ کو شاں نہیں ہوتے، لیکن فلسفیانہ انداز بیاں سے ان کے جوش بیان میں فرق نہیں پڑتا الفاظ کی سادگی اور سلاست میں فرق نہیں پڑتا بلکہ کلام کی شوکت و دلآویزی اور بھی بڑھ جاتی ہے، یہی شاعر کا کمال فن ہے۔

وہ مست ناز جو گلشن میں آنکلتی ہے
کلی کلی کی زباں سے دعا نکلتی ہے
الٰہی پھولوں میں وہ انتخاب مجھ کو کرے
کلی سے رشک گلِ آفتاب مجھ کو کرے

موت محض عارضی انقطاع ہے، اس کے بعد انسان کو ابدی زندگی ملنے والی ہے، لیکن اگر موت کے بعد ہمیشہ کے لیے مرجانا بھی فرض کرلیا جائے تو انسان کو اس فانی دنیا میں زندگی اس خوش اسلوبی سے گزارنی چاہیے کہ خدا کو بھی اس بات کا خیال آئے کہ انسان کو جو اپنی مساعی سے اس قدر ارتقاء حاصل کرسکتا ہے، میں نے کیوں نہ موت کے بعد دوبارہ زندگی کرنے کا اہتمام کیا، ایسی عظیم الشان ہستی کو اتنی ترقیوں کے بعد یک لخت ہمیشہ کے لیے تباہ کردینا ناانصافی ہے، اقبالؒ نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

چناں بزیں کہ اگر ماست مرگ دوام
خدا از کردۂ خود شرمسار ترک گرود

اقبالؒ کی پختگی کلام زور بیان نادر تشبیہات واستعارات کا بہتر اندازہ ان کے فارسی کلام سے ہوتا ہے۔

یک زرہ بے مایہ متاع نفس اندوخت
شوق ایں قدرش سوخت کہ پروانگی آموخت
پنہائے شب افروخت
واہ ماندہ شعاعے کہ گرہ خوردو شرر شد
از سوز حیات است کہ کارش ہمہ زرشد

بعض لوگ ان کی زبان پر معترض ہوتے ہیں، ان کے مشکل الفاظ جدید اور انوکھی تراکیب پر تنقید کرتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اردو زبان ان کے وسعت تخیل کی کہاں تک متحمل ہو سکتی ہے، لیکن ان کی تمام جدت طرازیوں اور مشکل بیانوں کے باوجود ان کے کلام کو نہیں سمجھتے، اقبالؒ اپنی معجز نگاریوں کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آئندہ نسلیں ان کے الہامی نغموں سے اقبال سوزی کرتی رہیں گی۔

# مشرق وسطیٰ کا سیاسی منظرنامہ

محمد نفیس خاں ندوی

مشرق وسطیٰ ایک ایسا علاقہ ہے جسے دنیا کی چھت بھی کہا جاتا ہے، یہ تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ کا سنگم ہے، اسی لیے اس کو خاص تجارتی اہمیت حاصل ہے، مختلف مذاہب کا گہوارہ ہونے کی وجہ سے اس کی مذہبی تاریخ بھی بہت تابناک ہے، دنیا کے تین بڑے مذاہب یہودی، عیسائی اور مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اس خطہ پر ان کا تاریخی اور مذہبی حق ہے، یہی وجہ ہے کہ مذہب کے نام پر جتنی خوں ریزی اس علاقہ میں ہوئی دنیا کے کسی خطہ میں نہیں ہوئی، یہودیوں نے تورات کے حوالہ سے اور عیسائی اپنے پیشواوں کے حوالہ سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ پر کنٹرول کرنے والا پوری دنیا پر حکومت کرے گا، اور مسلمانوں کا بھی یہ ماننا ہے کہ امام مہدی کا ظہور بھی اسی علاقہ میں ہوگا، یہی عقیدہ شیعوں کا بھی ہے جن کو بے صبری سے اپنے آخری امام کے ظہور کا انتظار ہے، شیعوں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب کے ظاہر ہونے کے بعد ان کو پوری دنیا پر حکمرانی نصیب ہوگی، اور وہ دنیا کی ساری اقوام اور خاص کر صحیح العقیدہ مسلمانوں کا صفحۂ ہستی سے صفایا کرسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کی موجودہ تباہ کن صورت حال کے پس پشت یہودی اور عیسائی اغراض کے ساتھ شیعوں کے بھی ناپاک ارادے شامل ہیں۔ سیاسی اعتبار سے مشرق وسطیٰ کا علاقہ دو بلاک میں بٹا ہوا ہے، ایک استعماری جس کی قیادت امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا مزاحمتی جہاں قیادت کی فقدان ہے۔ امریکہ چونکہ براہ راست یہاں پر اثر انداز نہیں ہوسکتا اس لیے اس کے حلیف ممالک اپنی وفاداری کا پورا ثبوت دے رہے ہیں، بدقسمتی سے ان 'وفاداروں' میں کچھ مسلم ممالک بھی شامل ہیں۔

مصر وشام دو ایسے ملک ہیں جو گذشتہ کئی مہینوں سے سامراج کی بھڑکائی ہوئی آگ میں جھلس رہے ہیں، کہیں وردی اور کہیں بغیر وردی طاقت واقتدار رکھنے والے عناصر اور قوتوں کے ذریعہ نہتے، معصوم اور بے گناہ شہریوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، جن کو بنیاد بنا کر عالمی واستعماری طاقتیں اپنا سیاسی مفاد حاصل کرنا چاہتی ہیں، اس سے پہلے عراق، لیبیا اور اس سے پہلے بوسنیا، چیچنیا اور افغانستان کے مسلمان جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے ہیں، اب مصر وشام کے مسلمان اپنے ہی سربراہوں کے ظلم کا شکار ہیں، اور مغربی طاقتیں اپنا فائدہ اٹھانے میں مصروف۔

امریکہ جو خود کو دنیا کا گارڈ فادر سمجھتا ہے' اپنی تمام تر مکارانہ و منافقانہ چالوں کے ساتھ بروئے کار ہے، شامی عوام پر زہریلی گیس کا استعمال ہوا، اور اسی کو بہانا بنا کر وہ شام کے خلاف فوجی کارروائی کرنا چاہتا ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے اس نے کیمیاوی ہتھیاروں کا بہانا بنا کر عراق کے خلاف اور اسامہ کے نام پر افغانستان کو تاراج کیا تھا۔ دوسری طرف روس نے شام کی حمایت اور سعودی عرب پر حملہ کی دھمکی بھی دے دی ہے، یہ صورتحال یقیناً عالمی جنگ کا اشارہ دیتی ہے لیکن یہاں کے مسلمان جنگ سے پہلے ہی جنگی میدان میں گھرے ہوئے ہیں اور ان کے صبح وشام بارود کی چادروں پر گذر رہے ہیں۔

مشرق وسطیٰ کی صورت حال کو سمجھنے کے لیے کہ ماضی میں کا مطالعہ بھی ضروری ہے، 1967ء میں جب عرب ممالک اور اسرائیل میں جنگ ہوئی تھی تو اس وقت اسرائیل نے گولان کی پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا تھا، اس جنگ میں مصر کی فوج نے اہم کردار ادا کیا تھا، اس لیے اسرائیل کسی بھی طرح مصر میں سیاسی استحکام کے حق میں نہیں ہے، عرب ممالک کے بیچ میں اسرائیل کا "عظیم اسرائیل" بننا اسی وقت ممکن ہوسکتا ہے جب اس کو اپنے چاروں جانب سے پورا اطمنان حاصل ہو، اسی لیے اسرائیل کا دفاع امریکہ کے لیے بہت اہم ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جب بھی کوئی نیا صدر آتا ہے تو وہ اپنے منشور میں فلسطین کے مسئلہ کو خاص اہمیت دیتا ہے، اور اس طرح وہ عرب ممالک کی ہمدردیاں بھی حاصل کرلیتا ہے، جبکہ دنیا جانتی ہے کہ

فلسطین کا مسئلہ اسی وقت حل ہوسکتا ہے جب اسرائیل 67ء کی پوزیشن میں واپس جانے کو رضامند ہو، اور یہ اس لیے ممکن نہیں کہ اسرائیل کا منصوبہ پورے مشرق وسطی پر قبضہ کا ہے، کیونکہ اسرائیل کو ''عظیم اسرائیل'' (Greater Israel) بننا اور پوری دنیا پر حکومت کرنا ہے، اس وقت اسرائیل کو اپنی کامیابی اسی میں نظر آرہی ہے کہ شام کی اندرونی خلفشار کا پورا فائدہ اٹھایا جائے اور امریکہ کو حملہ کو لیے مجبور کرلیا جائے، کیونکہ اسی بہانے اسے گولان کی پہاڑیوں میں مزید توسیع کا موقع مل سکے گا۔

شام میں طویل مدت سے اندرونی اختلافات موجود ہیں اس کے علاوہ پچاس ساٹھ سال سے اسد خاندان بھی اپنی ظلم و بربریت کے ساتھ قابض ہے، لیکن شام کے حکمراں نے تیونس، لیبیا، الجزائر اور عراق کے حشر سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھا، بلکہ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ مسلم حکمراں اقتدار پر قابض رہنے کے لیے اپنے ہی عوام کے قتل کی انتہا تک پہنچ جاتے ہیں، اور ایسے حکمرانوں کو استعماری طاقتیں اپنا آلۂ کار بناتی ہیں، یہی صورتحال شام میں بھی قائم ہے، پورے عرب میں انقلاب کی ایک لہر چلی جس نے استعماری قوتوں کے ذہنی غلام حکمرانوں کا تختہ الٹ دیا لیکن عالم اسلام کو ایک بار پھر منتشر کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔

مصر میں الاخوان کی حکومت عوام کی مرضی سے قائم ہوئی تھی، مصریوں نے اخوان کو ووٹ دیا تھا، اور یہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ عوام کی منتخب حکومت کو بے دخل کرنے کی کوشش کی جائے، جبکہ مصری صدر محمد مرسی نے اقتدار میں آنے کے بعد عیسائیوں اور دیگر طبقات سے بہتر تعلقات کی کوششیں کیں، خود ڈاکٹر مرسی نے ایک عیسائی نائب صدر بھی اپنے ساتھ رکھا، لیکن اس کے باجود ان کی حکومت کے خلاف بغاوت کردی گئی ہے، اخوانی حکمرانوں کو گرفتار کیا جارہا ہے، اور اس کے حامیوں پر بے دریغ گولیاں چلائی جارہی ہیں، خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی زندگیاں تباہ اور عزتیں تار تار ہورہی ہیں، مرسی حکومت کو اقتدار سے کھینچ لیا گیا، اور حسنی مبارک جیسے فرعون وقت کو جیل سے باہر نکال کر ''نظر بندی'' کے نام پر سکیورٹی فراہم کردی گئی، یہ مصر کی ان روحوں پر بھی ظلم ہے جو حسنی مبارک کے ظلم کے سامنے کھڑی ہوگئیں تھیں، اور اپنی جانیں اس امید میں قربان کردی تھیں کہ آنے والا مستقبل ان کی نسلوں کو آزاد ملک میں سانس لینے کا حق دے گا۔ لیکن آج ان کی قربانیں ضائع کردی گئیں، اور جنھیں آزاد ملک میں سانس لینے کا موقع ملا اور جو اسلام کے مضبوط نظام اور اس کے پرامن سایہ تلے پہنچ سکے انھیں بھی ان کی اپنی مصری فوج جینے کا حق نہیں دینا چاہتی، حقیقت یہ ہے کہ انقلاب کی آندھی نے حسنی مبارک کے قدم ضرور اکھاڑ دیے تھے لیکن اس کی جڑیں جو حکومت کے دیگر شعبوں اور ملک کے نظام میں پیوست تھیں ان کو ہلا نہ سکیں، اور استعماری حکومتیں ان جڑوں کو سینچتی رہیں، اور اپنی کاز کے لیے تیار کرتی رہیں، اور آج انہیں کے ذریعہ پورے ملک کو خانہ جنگی کی بھٹی میں جھونک دیا گیا ہے۔

مشرق وسطی میں سیاسی بحران کے حل کی کوششیں اگر ناکام ہوتی ہیں تو آنے والے دنوں میں صورتحال مکمل قتل وغارت کا رخ اختیار کرسکتی ہیں، اور اس کا سب سے زیادہ اثر فلسطین میں جاری جہادی کوششوں پر پڑے گا۔ شام کے حل کے لیے عالم اسلام اور خاص کر عرب لیگ کو موثر کردار نبھانا چاہیے تھا، لیکن اب تک کسی موثر اقدام کے نہ ہونے کی وجہ سے مستقبل کے حالات تاریکی میں ہی نظر آتے ہیں۔

مصر میں قیام امن کا ایک راستہ ہے اور وہ ہے مرکزی کرداروں کے مابین مذاکراتی اور مصالحتی عمل، کیونکہ اخوانی مظاہرین کے خلاف فوجی کارروائی سے کوئی حل نکلنے کے بجائے حالات مزید ابتر ہوتے چلے گئے ہیں، اور ان کا جوش ختم ہونے کے بجائے بڑھ ہی رہا ہے، مزید انھیں مسلمانوں کی عالمی حمایت بھی حاصل ہے، اور حسنی مبارک کی رہائی کے بعد مصر کا غیر اسلامی طبقہ کی حمایت بھی اخوانیوں کے حق میں بڑھتی جارہی ہے، اس سے امید ہے کہ جلد ہی مصر میں امن کا ماحول قائم ہوگا اور اخوانی دوبارہ اقتدار میں آکر عدل وانصاف کی مثال قائم کریں گے۔

# ایام تشریق اورتکبیرات تشریق

نویں ذی الحجہ کی فجر کی نماز کے بعد سے تیرھویں ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تک، ہر فرض نماز کے بعد بلند آواز سے مردوں پر اور آہستہ آواز سے عورتوں پر پڑھنا یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا إِلٰہَ إِلَّااللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ

اور اگر فرض نماز کے بعد امام تکبیر پڑھنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے تکبیر پڑھیں۔ یہ تکبیرات ایک مرتبہ پڑھنا واجب اور تین مرتبہ پڑھنا سنت ہے۔

# عید الاضحی کے دن کی سنتیں

☆صبح کو جلدی اٹھنا☆مسواک کرنا☆غسل کرنا☆اچھے کپڑے پہننا☆خوشبو لگانا☆عید کی نماز عید گاہ میں پڑھنا☆عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا☆عید گاہ جلدی جانا☆عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد قربانی کا گوشت کھانا۔☆پیدل جانا☆ایک راستہ سے جانا دوسرے راستہ سے واپس آنا☆راستہ میں تکبیر تشریق (اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا إِلٰہَ إِلَّااللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ) پڑھتے ہوئے جانا۔

# قربانی کا طریقہ

قربانی کا سنت طریقہ یہ ہے کہ جانور کو کم سے کم تکلیف دی جائے، اسے زیادہ تڑپایا نہ جائے، زمین پر لٹانے میں ایسا طریقہ نہ اپنایا جائے کہ جس سے جانور گھبرا کر بدکنے لگے، جب جانور قربان گاہ میں آجائے تو اسے جلد ذبح کرنے کی کوشش کی جائے، چھری اور رسی وغیرہ پہلے سے تیار رکھی جائے، پھر جب قربانی کا جانور قبلہ رخ لٹادے تو پہلے یہ دعا پڑھے:

"إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّ مَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ،
إِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ بِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَ أَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ"

پھر "بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ" کہہ کر ذبح کرے، اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ ،وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ"۔

اگر ایک دوسرے کی طرف سے قربانی کر رہا ہو تو "مِنِّيْ" کے بجائے "مِن" کہے اور "مِنْ" کے بعد جس کی طرف سے قربانی کر رہا ہے اس کا نام لے۔

# دعا کی اہمیت

علامہ سید سلیمان ندویؒ

''اللہ تبارک وتعالی نے جن انعامات خاصہ سے انسان کونوازا ہےان میں سے ایک دعا بھی ہے، دعا ایمان کا نشان، تعلق الٰہی کی دلیل، مغز عبادت، حقیقت عبودیت، جان بندگی، روح فقر اور رونق درویشی ہے، دعا بندہ ورب کا رابطۂ قویہ، مومن کا اسلحہ ہے، روح کی غذا، جان حزیں کا قرار، زخم دل کا مرہم اور سوختہ سامان عشاق کی نامرادیوں کا مداوا ہے، دعا فقیروں کا خزانہ، مسکینوں کا توشہ، ناداروں کی ڈھارس، لاچاروں کی تسکین، بے نواؤں کی تسلی، ضعیفوں کی قوت، راہ حق کے طلب گاروں کی ڈاھال، اور سالکین طریق کا زادراہ ہے، دعا کا شغف واشتغال، اسمیں الحاح وزاری، تضرع وخشوع اور ابتہال وتبتل، توحید وللٰہیت، اور صفات الٰہیہ پر ایمان کامل، اور یقین راسخ کا نتیجہ ہے، دعا جامع الاسباب، ام الذرائع، کلید خیر، اور مطلب براری کی احسن واکمل تدبیر ہے، دعادارین کی حاجات وضروریات، انجاح وحصول کا اقویٰ واجمل سبب ہے، دعا درمادہ بندہ کی اپنے رحیم وکریم آقا کے دربار میں مناجات وپکار اور عرض داشت ہے، جس کا ہر بول بندہ وآقا کے تعلق کو قوی سے قوی تر کرتا ہے، ایک فقیر وبے نوا کا سرمایا ہی دعا اور قوت دعا ہے کہ فقر کی حقیقت ہی ''الحمید'' میں سب کچھ دیکھ کر اپنی بے مائیگی ہیچ در ہیچ ہونے کا یقین رکھتے ہوئے دعا ورضا، تفویض وتسلیم، عبدیت وعبودیت کے وظیفہ میں اپنی زندگی گذار دینا ہے، محبوب ازل کا محبّ صادق اور حمید مطلق کا طالب حقیقی ہر آن قلباً وحالاً اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز اس کے ساتھ مناجات ودعا میں مشغول رہتا ہے، اس لیے فخر القراء، سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا جزوکل دعا ومناجات سے مملوء ملتا ہے کہ جس قدر حقیقت فقر وعبدیت میسر آئیگی انسان میں تبتل اور التجاء الی اللہ اور احتیاج کی کیفیت بڑھ جائے گی، صحیفۂ اسلامی دعا کی عظمت وبرکت پر دال اور قصص انبیاء علیہم السلام اجابت دعا پر ناطق اور اسوۂ نبویہ اور احادیث مبارکہ دعا کے فضائل واہمیت پر شاہد ہیں۔''

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
# Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

VOLUME
05

June-Sep 2013

ISSUE
06-09

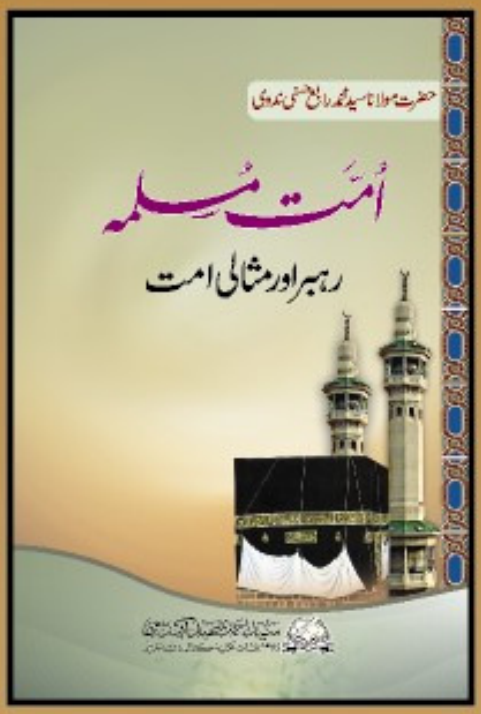


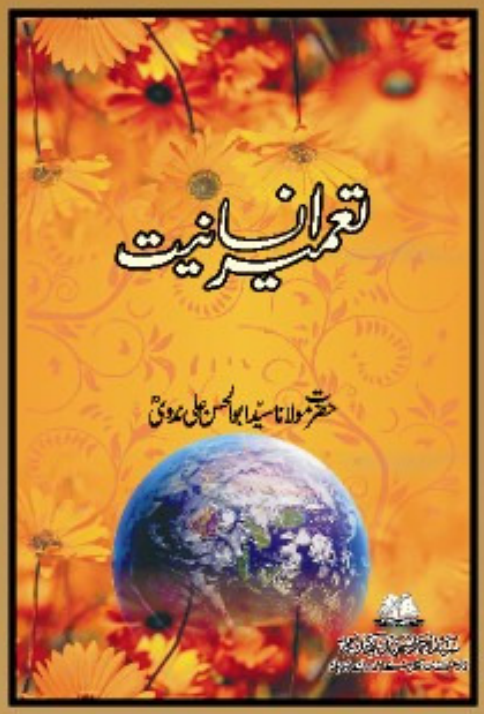


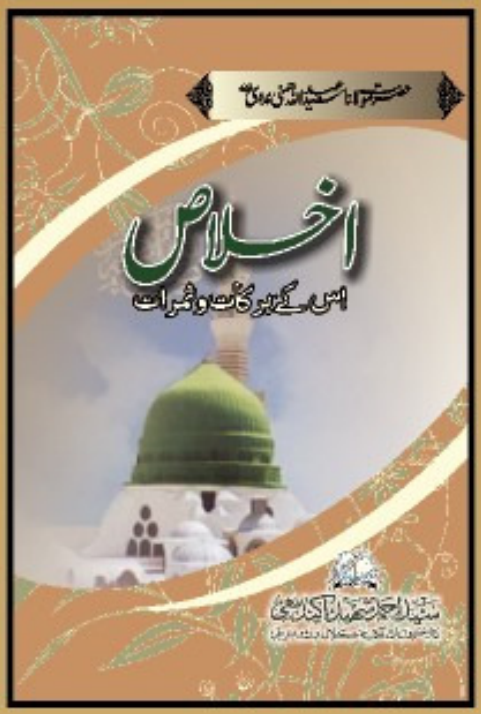


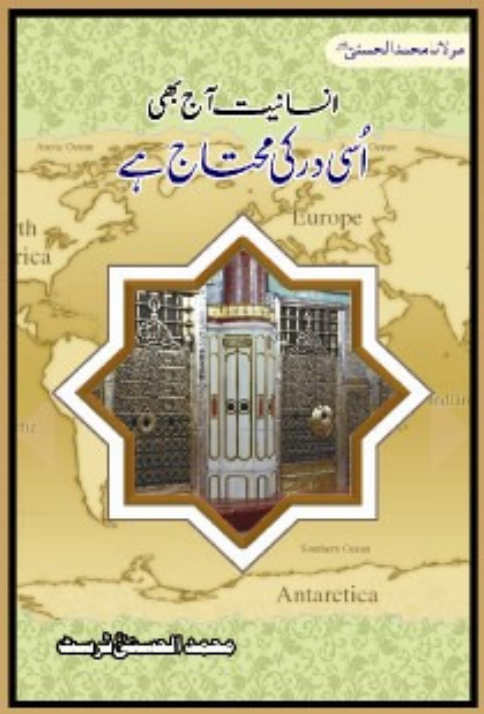


www.abulhasanalinadwi.org

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9918385097, 9918818558
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)